اینڈرسن کی کہانیاں
اظہر افسر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

اینڈرسن کی کہانیاں

اینڈرسن کی کہانیاں

اظہر افسر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1984
چوتھی طباعت	:	2011
تعداد	:	2100
قیمت	:	-/12 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	329

Anderson Ki Kahaniyan

By

Azhar Afsar

ISBN :978-81-7587-392-6

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی110025، فون نمبر: 49539000، فیکس:49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066
فون نمبر:26109746، فیکس:26108159
ای۔میل:urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ:www.urducouncil.nic.in
طابع: سلاسار امیجنگ سسٹمس آفسیٹ پرنٹرس، C-7/5 لارنس روڈ انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی۔110035
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho(Top) کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹاسکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

اینڈرسن	9
جادو کا ڈبہ	14
بطخ کا بچہ	27
اصلی شہزادی	41
ننھی ایڈا کے پھول	44
مہاراجہ کے کپڑے	55

اینڈرسن

اینڈرسن کا پورا نام ہنس کرسچین اینڈرسن تھا، وہ ۲؍اپریل کو ۱۸۰۵ء میں اوڈنس (جرمنی) کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا، کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اوڈنس میں پیدا ہونے والا یہ غریب لڑکا ایک دن ساری دنیا میں نہ صرف مشہور ہو جائے گا بلکہ ہر طرف چاہا جائے گا۔

اینڈرسن کا باپ ایک غریب موچی تھا، اینڈرسن کے بچپن ہی میں اس کے باپ کا انتقال ہو گیا اور بے چاری ماں کو اپنی اور اپنے بچے اینڈرسن کی پرورش کے لیے گھنٹوں اوڈنس کے چشموں میں کھڑے ہو کر لوگوں کے کپڑے دھونے پڑتے تھے۔

اینڈرسن بچپن ہی سے عجیب و غریب تھا اُسے چھوٹی عمر ہی سے مزے مزے کی کتابیں پڑھنے اور ان کتابوں کی تصویریں دیکھنے اور چھوٹے چھوٹے ناٹک بنانے کا شوق تھا۔ مزہ کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ناٹکوں کو خود ہی گاؤں میں کھیلتا تھا، خود ہی گاتا تھا اور سارے کردار خود ہی ادا کرتا تھا۔

بچپن میں اینڈرسن کا ہاتھ دیکھ کر ایک بوڑھی عورت نے کہا تھا بیٹا تو اپنے

گاؤں کا نام روشن کرے گا۔ ایک دن تیرے لیے یہ سارا گاؤں روشنیوں سے جگمگا اٹھے گا۔

چودہ برس کی عمر میں اینڈرسن نے اپنا گاؤں چھوڑ دیا اور روزگار کی تلاش میں سیدھا شہر کوپن ہیگن پہنچا۔ اینڈرسن نے یہاں پہنچ کر مختلف آرٹسٹوں سے ملاقات کی تاکہ وہ اس کا کام اور اس کے کھیل دیکھ کر اُسے کوئی اچھا مقام دے سکیں۔ ملتے ملتے وہ اُن دنوں کی ایک مشہور ناچنے والی روزی کے گھر پہنچ گیا جو رائل تھیٹر میں روزانہ اپنا پروگرام دیتی تھی۔

پہلی ہی ملاقات میں اینڈرسن نے اپنے سارے کرتب رائل تھیٹر کی اس ناچنے والی کو دکھائے اور اسٹیج سے اپنی دلی محبت کا اظہار کر دیا۔ پھر فوراً اس نے اپنے جوتے اتار کر فرش پر اس فن کے نئے نئے ناچ روزی کو دکھائے۔

جب سارے کرتب اینڈرسن، روزی، کو دکھا چکا تو آخر میں اپنے فن کے بارے میں اس سے رائے پوچھی روزی نے کہا "اینڈرسن تمہارا فن کچھ بھی نہیں ہے مگر تم بہت پیارے ہو۔"

اتنا سنتے ہی اینڈرسن ریکا روزی کے گھر سے نکل پڑا۔ پھر اس نے ادھر کا رُخ نہیں کیا۔ اینڈرسن ہمت ہارنے والا لڑکا نہیں تھا وہ دوسرے دن ہی سے کوپن ہیگن کے بڑے بڑے آرٹسٹوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا ہر ایک سے اس نے اس بات کی خواہش کی کہ وہ اسے اسٹیج ایکٹر بننے میں مدد دے آہستہ آہستہ اُسے چھوٹے چھوٹے کام ملنے لگے ایک دن اینڈرسن کی التجا پر رائل تھیٹر کے ایک ڈائرکٹر نے اوڈنس کے بادشاہ کے سامنے پہنچا دیا۔ بات چیت کے وقت بادشاہ نے سوچا کہ اس لڑکے کو پہلے اچھی تعلیم کی ضرورت ہے بادشاہ نے اینڈرسن کو شاہی اسکول میں بھیج دیا۔ تاکہ وہ اپنے حق کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی حاصل کر سکے۔ رائل تھیٹر کا ڈائرکٹر بھی سمجھ چکا تھا کہ یہ لڑکا ذہین ضرور ہے مگر اسے اچھی تعلیم کی ضرورت

ہے اینڈرسن سے پہلے وہ کئی لڑکوں کو شاہی اسکول میں اس طرح شریک کروا چکا تھا۔

اینڈرسن شاہی اسکول میں داخل تو ہو گیا مگر یہاں بھی وہ اپنی شوخی و شرارتیں نہ چھوڑ سکا۔ ایک دن جب اسکول کی کھڑکی کے پاس سے مویشیوں کا ریوڑ گزر رہا تھا تو اینڈرسن نے پکار کر کہا: "ماسٹر صاحب ان بھائی بہنوں کو بھی تو کچھ پڑھائیے"

ایک دن ایک بہت بڑے لمبے تڑنگے اسکول ٹیچر کو دیکھ کر اس نے نعرہ لگایا "ماسٹر صاحب آپ کے تو دو ٹیچر بن سکتے ہیں"

ہر دفعہ بادشاہ کی وجہ سے بات آئی گئی ہو جاتی تھی۔ آخر ۲۲ سال کی عمر میں اس نے اس اسکول کے سارے امتحان پاس کر لیے اور اسکول چھوڑ دیا۔

اپنی تعلیم کے زمانے میں وہ دن رات یہی سوچتا رہا کہ اسے کسی طرح شاعر اور ادیب بننا ہے اور ساتھ ساتھ اُسے یہ بھی محسوس ہوتا رہا کہ شاعر اور ادیب بن کر اپنے آپ کو منوانا سخت مشکل ہے اس میں مصیبتیں زیادہ اور آمدنی بہت کم ہے۔

دوسری طرف شہرت خود اس کی منتظر تھی ۱۸۳۵ء میں جب وہ اٹلی سے واپس ہوا تو اس نے اپنا ایک چھوٹا سا ناول لکھا۔ ناول کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹی سی کتاب پریوں کی کہانیوں کی بھی نکالی۔ اس کتاب کی ساری کہانیاں اس کی بچپن کی سُنی ہوئی تھیں دونوں کتابیں بے حد مشہور ہوئیں مگر پھر بھی سوال روپوں کا تھا جس کی اس کو بے حد ضرورت تھی۔

کچھ ہی دن گذرے ہوں گے کہ اس کی شہرت تقریباً ساری دنیا میں پھیل گئی اپنی بچپن میں سُنی ہوئی کہانیوں کے ساتھ ساتھ خود اپنی طرف سے وہ نئی نئی کہانیاں لکھنے لگا اور بہت جلد ان کہانیوں کا جرمن زبان کے ساتھ دوسری زبانوں میں ترجمہ ہونے لگا۔

دس سال کے عرصے میں وہ اس قدر مقبول ہو گیا کہ لوگ راستہ روک روک کر اُسے اس کی کہانیوں پر مبارکباد دینے لگے وہ کہتے کہ تم نہ صرف بچوں کا بلکہ ہمارا بھی دل بہلاتے ہو۔

پھر اس نے جرمنی کے تمام علاقوں کا دورہ کیا آسٹریا، فرانس اور انگلستان کی سیر کی۔ جگہ جگہ اس نے اپنے پرستار پائے۔ بے شمار بچوں نے اینڈرسن کو تحفے دیے۔ بزرگوں نے اُسے اپنے گھر بلایا اور اس کی پیاری زبان سے اس کی کہانیاں سُنیں۔

جب شہزادوں اور بڑے بڑے امیروں نے اس کی تعریف کی تو وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ سخت محنت اور کوشش سے اس نے یہ مقام حاصل کیا تھا چھوٹی سی عمر میں جو تجربے اس نے حاصل کیے تھے وہ ساری باتیں اس نے اپنی کہانیوں میں بیان کر دی ہیں۔ اس لیے اس کی ساری کہانیاں نصیحتوں سے بھرپور ہیں۔

اینڈرسن اپنے آخری سانس تک بچوں کے لیے میٹھی زبان میں پیاری پیاری کہانیاں لکھتا رہا۔ ۶۲ سال کی عمر میں اِسے گاؤں کا سب سے بڑا آدمی" کا اعزاز دیا گیا۔ اور اوڈنس گاؤں چراغوں سے جگمگانے لگا۔ اس طرح بچپن میں دی گئی بوڑھی عورت کی پیشین گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی۔

اُسے کہانیاں لکھنے اور سُنانے کا ایسا شوق تھا کہ اس ڈر سے کہ اس کے اس فن کو دھکا نہ لگے اس نے عمر بھر شادی نہیں کی اور نہ اپنا گھر بسایا۔ عمر بھر کنوارا رہا۔ بس اپنے پرستار بچوں کے درمیان زندگی کاٹتا رہا۔

آخر ۱۸۷۵ء میں جب کہ اس کی عمر ستر سال ہو گئی تھی اس نے بستر پر لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ بچوں نے اسے بتایا" اے ہمارے پیارے ادیب

تمہاری کہانیاں یہاں سے دور دور تک پسند کی جا رہی ہیں ۔جاپان اور ہندوستان کے بچّے بھی آپ کی کہانیوں سے مزے لے رہے ہیں ۔ دنیا کی تقریباً ساری زبانوں میں آپ کی کہانیوں کے ترجمے ہو چکے ہیں اور ہر زبان میں آپ کی کہانیاں سُنی اور پڑھی جا رہی ہیں ۔

اینڈرسن نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں ۔

جادو کا ڈبہ

بہت دنوں کی بات ہے کہ ایک سپاہی صاحب سڑک پر لفٹ رائٹ لفٹ رائٹ کرتے چلے جا رہے تھے اور کس شان سے کہ ان کی پیٹھ پر ایک بڑا سا جھولا تھا اور بازو میں تلوار لٹک رہی تھی۔ یہ کئی جنگوں میں حصّہ لے چکے تھے اور اب گھر لوٹ رہے تھے۔

چلتے چلتے ان کی ملاقات ایک بوڑھی جادوگرنی سے ہوئی۔ توبہ توبہ جادوگرنی سر سے پاؤں تک ایسی ڈراؤنی تھی کہ پوچھو نہیں صرف اس کے نچلے ہونٹ ہی کو دیکھو تو وہ بُری طرح لٹک کر اس کے سینے تک آ گیا تھا۔

سپاہی صاحب کو دیکھ کر بوڑھی جادوگرنی بولی۔ واہ ۔ واہ ۔ واہ، کیا شان ہے کیا چمکدار تلوار ہے، واہ کیا بڑا جھولا ہے، سچ مچ تم ایک سپاہی ہو، تمہیں تو وہ ساری دولت ملنی چاہیے جس کی تم آرزو کرتے ہو۔

سپاہی صاحب بولے "محترمہ بہت بہت شکریہ۔"

پھر بوڑھی جادوگرنی نے سڑک کے کنارے ایک بہت بڑے پیڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "تم اس درخت کو دیکھ رہے ہو یہ اصل میں کھوکھلا ہے اگر

تم اس درخت کے اوپر چڑھ جاؤ تو اوپر تمہیں ایک بہت بڑا سوراخ ملے گا، اتنا بڑا سوراخ کہ تم اس میں گھس سکتے ہو، اگر تم اس سوراخ میں رینگ کر درخت کی تہہ تک پہنچ جاؤ ـ نہ نہ ـ تم فکر مت کرو میں تمہاری کمر سے ایک رسّی باندھ دوں گی تاکہ جب تم مجھے پکارو تو میں تمہیں فوراً اوپر کھینچ لوں۔

مگر میں درخت کی تہہ تک پہنچ کر کیا کروں گا سپاہی نے پوچھا۔

کیوں تم وہاں سے بہت ساری دولت اٹھالاؤ گے، جیسے ہی تم درخت کی تہہ میں پہنچو گے، وہ بولی : تمہیں وہاں ایک بہت بڑا ہال ملے گا خوب روشن اس ہال میں ایک دو نہیں تین سو چراغ جل رہے ہیں۔ یہاں تمہیں دو دروازے نظر آئیں گے۔ فکر مت کرو۔ ان دروازوں کو تم بہت آسانی سے کھول سکتے ہو، ان دروازوں پر قفل ہیں مگر وہیں کنجیاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ پہلا دروازہ کھولو گے تو ایک کمرے میں پہنچ جاؤ گے۔ اس کمرے کے بیچوں بیچ ایک صندوق ہو گا جس پر ایک کُتا بیٹھا ہو گا۔ اس کتے کی آنکھیں اتنی بڑی بڑی ہیں جیسے چائے کی پیالیاں، تم ڈرنا نہیں میں تمہیں اپنا فرغل (چُغہ) دوں گی تم اس فرغل کو فرش پر بچھا دینا پھر لپک کر کتے کو پکڑ لینا اور اس فرغل میں لپیٹ لینا کُتا کچھ نہیں کرے گا۔ پھر صندوق کھول کر جتنے سکے چاہو نکال لانا، اس صندوق میں صرف تانبے کے سکے ہوں گے۔ اگر تم چاندی کے سکے چاہتے ہو تو تمہیں دوسرے کمرے میں جانا ہو گا۔ کیا سمجھے۔ اس دوسرے کمرے میں جو کُتا تمہیں ملے گا۔ اس کی آنکھیں گھرنی کے پہیوں کے برابر ہوں گے۔ یہاں بھی تم نہ ڈرنا۔ اس کو بھی تیزی سے میرے فرغل میں باندھ لینا اور اطمینان سے صندوق کھول کر جتنے چاہو سکے لے لینا۔ اگر تم چاندی اور تانبے کے سکوں کے ساتھ ساتھ سونے کے سکے بھی چاہتے ہو تو پھر تمہیں تیسرے کمرے میں جانا ہو گا۔ تیسرے کمرے کے صندوق پر جو کتا بیٹھا ملے گا وہ تو بہت ہی خوفناک

ہوگا اس کی آنکھیں تلے کی پرچیوں جتنی بڑی بڑی ہوں گی۔ مگر تم ڈرنا نہیں۔ اسے بھی فرغل میں باندھ لینا۔ اگر اس کتے کو بھی تم نے فرغل میں لپیٹ لیا تو پھر صندوق سے تم جتنا چاہو سونا لے سکتے ہو۔

سپاہی صاحب دیر تک سنتے رہے پھر بولے۔ یہ تو سب ٹھیک ہے مگر مجھے یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لیے تمہیں کیا دینا ہوگا۔ تم بغیر کچھ لیے تو مجھے یہ سب کچھ لینے نہیں دو گی۔

بوڑھی جادوگرنی بولی "مجھے ان تانبے، چاندی، سونے کے سکوں میں سے کچھ نہیں چاہیے تم مجھے چقماق کا ایک پرانا ڈبہ لا دینا چقماق کا یہ ڈبہ میری نانی پچھلی مرتبہ جب درخت کی تہہ میں گئی تھی تو وہاں بھول گئیں تھیں۔

سپاہی صاحب بولے "تو پھر ٹھیک ہے، مجھے رسی دو، میں چلا"

بوڑھی جادوگرنی بولی۔ یہ لو رسی اور یہ میرا فرغل۔

سپاہی جھٹ پٹ درخت پر چڑھ گیا اور تنے کے سوراخ میں سے رینگتا ہوا اتر کر درخت کی تہہ میں پہنچ گیا۔ واہ۔ واہ۔ سچ مچ وہاں ایک بہت بڑا روشن ہال تھا جیسا بوڑھی جادوگرنی نے کہا تھا۔ وہاں تین سو سے زیادہ چراغ جل رہے تھے۔

سپاہی نے پہلا دروازہ کھولا۔ ایک کتا بیٹھا تھا، جس کی آنکھیں چائے کی پیالیوں کی طرح بڑی بڑی تھیں۔ وہ حیرانی سے سپاہی کو گھور رہا تھا۔ سپاہی نے فوراً جادوگرنی کا دیا ہوا فرغل فرش پر پھیلا دیا۔ پھر کتے کو بغیر کسی خوف کے اٹھا کر فرغل میں باندھ لیا۔ پھر اس نے صندوق کھولا۔ صندوق کا خانہ تانبے کے سکوں سے بھرا ہوا تھا۔ سپاہی نے اپنی جیبیں تانبے کے سکوں سے بھر لیں۔ چغہ (فرغل) سے کتا نکال کر صندوق پر واپس رکھ دیا۔ اور دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔

دوسرے کمرے میں بھی بیچوں بیچ اتنی بڑی بڑی آنکھوں والا کتا بیٹھا تھا جیسے گرنی کی پنکھیاں ہوتی ہیں۔ کتے کو گھورتے ہوئے دیکھا تو سپاہی بولا "اب زیادہ گھورنا چھوڑو ورنہ تمہاری آنکھیں اُبل پڑیں گی" اتنا کہہ کر اس کتے کو بھی جادوگرنی کے فرغل میں رکھا اور صندوق کا ڈھکنا کھولا، اوہ، خانہ تو چاندی کے سکوں سے بھرا پڑا تھا۔

سپاہی نے اپنی جیبوں سے تانبے کے سکے پھینک دیے پھر ان جیبوں کو چاندی کے سکوں سے بھر لیا اور تیسرے کمرے کی طرف چلا۔ اس کمرے میں جو صندوق پر کتا تھا واقعی اس کی آنکھیں برجیوں کی طرح بڑی بڑی تھیں اور گول گول گھوم رہی تھیں

"آداب عرض ہے کتے صاحب" سپاہی نے کہا اور جھٹ سے جادوگرنی کا فرغل بچھا کر کتے کو اس میں لپیٹ لیا۔ پھر جو خانہ کھولا تو خانہ سونے کے سکوں سے پُر تھا۔ ان سکوں سے کیا نہیں خرید سکتا تھا۔ اوہ۔ دنیا بھر کی چیزیں۔ دنیا بھر کی۔

سپاہی نے اپنی جیبوں سے چاندی کے سکے پھینک دیئے اور پھر سونے کے سکے جیبوں اور اپنے جھولے میں بھر لیے۔ یہی نہیں اپنی ٹوپی اور جوتے میں بھی اس نے سونے کے سکے بھر لیے۔ اتنے سکے کہ اس کا چلنا مشکل ہو گیا۔ پھر اس نے جلدی جلدی کتے کو واپس صندوق پر رکھ کر درخت کے اوپر کے حصے کی طرف پکارا "اے اماں۔ اے جادوگرنی۔ مجھے اوپر کھینچو۔ جادوگرنی نے پوچھا "تمہیں وہ چقماق کا صندوق بھی ملا؟"

سپاہی نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا ارے ہاں اس نے وہ چقماق کا صندوق تو لیا ہی نہیں۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ صندوق پر ایک چقماق کا ڈبہ بھی رکھا تھا۔ یہ بڑا پُرانا اور پیتلا سا ڈبہ تھا۔ سپاہی نے جلدی سے یہ ڈبہ اٹھا کر اپنے فرغل میں باندھ لیا۔

جادوگرنی نے پوچھا "کیا ہوا کیا وہ میرا ڈبہ تم نے فرغل میں باندھ لیا۔

سپاہی بولا "ہاں ہاں تم مجھے اوپر کھینچو۔"

جادوگرنی نے سپاہی کو اوپر کھینچ لیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد سپاہی اوپر سڑک پر تھا۔ جادوگرنی بولی "لاؤ مجھے وہ چقماق کا ڈبّہ دے دو۔"

سپاہی بولا "ارے وہ ڈبّہ تو میں وہیں درخت کے نیچے بھول گیا۔ تمہیں اس سے کیا کام تھا؟"

جادوگرنی بولی "تمہیں اس سے کیا کرنا ہے وہ ڈبّہ مجھے دے دو۔"

سپاہی بولا "اس ڈبّے سے کیا کام لینے والی ہو پہلے یہ بتاؤ۔"

جادوگرنی بولی "یہ میں تمہیں ہرگز نہیں بتاؤں گی۔ بلکہ اصرار کروگے تو میں تمہیں ختم کردوں گا۔"

اب تو سپاہی بہت گھبرایا۔ اس نے فوراً اپنی تلوار نکالی اور جادوگرنی کے سنبھلنے تک اپنی تیز تلوار سے اس کا سر قلم کردیا۔

جادوگرنی کا خاتمہ ہوتے ہی سپاہی نے چغہ (فرغل) سنبھالا۔ اور جلدی جلدی چلتا سب سے پہلے ملنے والے شہر میں پہنچا۔ یہ شہر نہ صرف بڑا تھا بلکہ بے حد خوبصورت تھا۔ اس شہر کے سب سے خوبصورت ہوٹل کا ایک کمرہ سپاہی نے حاصل کیا اور نہایت قیمتی کھانا طلب کیا۔۔۔ ہاں اب تو سپاہی بے حد مالدار تھا۔ جتنے سونے کے سکے چاہے خرچ کرسکتا تھا۔

ہوٹل کا ایک آدمی اس کے جوتوں کو پالش کرنے کے لیے آیا۔ اس نے دیکھا اس قدر مالدار آدمی کے جوتے اتنے پرانے، اس قدر خراب، دوسرے ہی دن سپاہی کے لیے نفیس پوشاک اور نئے جوتے آگئے۔

اب سپاہی شہر کا سب سے مالدار آدمی تھا۔ جیسے ہی لوگوں کو اس امیر

آدمی کی خبر ملی۔ دوڑے دوڑے لوگ اس کے پاس آ گئے۔ دوست بنتے گئے۔ بتانے لگے کہ اس شہر میں دیکھنے کے لائق کیا کیا چیزیں ہیں مشہور مقامات کون کون سے ہیں۔ کہنے لگے۔ آپ ہمارے بادشاہ سے بھی ملیے کبھی ہماری خوبصورت شہزادی کو بھی دیکھیے۔

سپاہی نے ان لوگوں کی باتیں سُن کر کہا۔ ہاں شہزادی کو ضرور دیکھوں گا۔

لوگوں نے کہا مگر شہزادی کو دیکھو گے کیسے ؟ اُسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔

سپاہی نے پوچھا۔ کیوں شہزادی کو کسی نے اب تک کیوں نہیں دیکھا۔

لوگ بولے" اس لیے نہیں دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے پتھر کے قلعہ میں بند ہے چاروں طرف پتھر کی دیواریں ہیں پتھر ہی کے بُرج ہیں۔ شہزادی سے سوائے بادشاہ اور ملکہ کے کوئی نہیں مل سکتا۔

" کیوں " سپاہی بولا۔

" اس لیے کہ کسی نے بتایا ہے کہ اس شہزادی کی شادی ایک معمولی سپاہی سے ہوگی۔ بھلا ہم اور ہمارا بادشاہ یہ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں "

لوگوں کے جانے کے بعد سپاہی نے سوچا پھر تو اس شہزادی سے ضرور ملنا چاہیے مگر۔ مگر وہ شہزادی سے کیسے مل سکتا ہے۔

سپاہی دن رات شہزادی سے ملنے کی ترکیبیں سوچتا تھا۔ اور ایک شاندار زندگی گذار رہا تھا۔ اکثر تھیٹروں کو جاتا اور ناچ گانے دیکھتا۔ شاہی باغوں اور باغیچوں میں چہل قدمی کرتا اور غریبوں میں روپے خیرات کرتا تھا۔ وہ کہتا۔ کتنی بُری بات ہے کہ کوئی جیب ہو اور وہ خالی ہو۔

ہمیشہ اُسے اس کے دوست گھیرے رہتے اور اس کی تعریفیں کرتے رہتے

کہتے۔ آپ سب سے خوبصورت اور شہر کے سب سے بڑے آدمی ہیں — اور سپاہی روزانہ ان پر خوب خوب دولت خرچ کرتا جاتا تھا۔

آخر ایک دن وہ بھی آگیا کہ سپاہی کے پاس صرف دو سونے کے سکّے رہ گئے، جب اس کی خبر ہوٹل والوں کو ملی تو انہوں نے سپاہی کو اس کے شاندار کمرے سے نکال کر ہوٹل کی چھت پر ایک چھوٹی سی کٹیا میں بھیج دیا۔

یہاں سپاہی کو معمولی کھانا ملتا اور خود اپنے جوتے آپ صاف کرنے پڑتے اپنے کپڑے آپ دھونے ہوتے۔ یہ دیکھ کر وہ دوست جو ہمیشہ اُسے گھیرے رہتے تھے انہوں نے آنا جانا چھوڑ دیا۔

جب سپاہی نے ان اپنے دوستوں سے پوچھا کہ اب وہ روز کی طرح کیوں نہیں آتے تو وہ بولے " تمہارا کمرہ بہت اوپر چھت پر ہے وہاں پہنچنے کے لیے سیڑھیاں بہت ہیں ان سیڑھیوں پر چڑھتے چڑھتے ہم تھک جاتے ہیں۔

ایک رات سپاہی اپنے کمرے میں اندھیرے میں بیٹھا تھا کیونکہ اس کے پاس موم بتی خریدنے کے لیے بھی کچھ نہ تھا۔ سوچتے سوچتے اُسے یاد آیا۔ فرغل میں مَیں نے چقماق کا ایک ڈبہ باندھا تھا۔ شائد اس ڈبے میں کچھ موم بتیاں ہوں یا روشنی کرنے میں اس ڈبے سے کچھ مدد مل سکے۔ اور ہاں یہی ڈبہ تو بار بار وہ جادوگرنی مانگتی تھی۔

جلدی جلدی اس نے وہ ڈبہ ڈھونڈھنا شروع کیا۔ ڈبہ مل گیا تو وہ اس ڈبے کو رگڑ کر روشنی پیدا کرنے لگا۔ اچانک ایک دھماکہ ہوا اور وہ کتا جس کو اس نے پہلے کمرے میں دیکھا تھا اور جس کی پیالیوں جیسی بڑی بڑی آنکھیں تھیں سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔

بولا " کیا حکم ہے آقا "

واہ۔ واہ۔ واہ۔ یہ ڈبہ بھی عجیب ہے " سپاہی بولا " اگر اس جادو کے ڈبے سے مجھے ہر چیز مل سکتی ہے تو مجھے دولت چاہیے "

کتا غائب ہوگیا اور آدھے منٹ کے اندر اندر اپنے منہ میں ایک تھیلا پکڑا ہوا آموجود ہوا۔ اس تھیلے میں تانبے کے سکے بھرے تھے۔

فوراً سپاہی سمجھ گیا کہ یہ سچ مچ جادو کا ڈبہ ہے اگر وہ ایک بار رگڑتا ہے تو تانبے کے سکوں والا کتا آجاتا ہے اگر وہ اس صندوق کو دوبارہ رگڑے گا تو وہ کتا آسکتا ہے جو چاندی کے سکوں سے بھرے ہوئے صندوق پر بیٹھا تھا اور جو تین بار رگڑے تو وہ کتا ضرور آجائے گا جو سونے کے سکوں کی حفاظت کرتا ہے اور جس کی بڑی بڑی برجوں جیسی آنکھیں ہیں۔

اب کیا تھا سپاہی کے پاس پھر سے دولت کے خزانے بھرنے شروع ہوگئے۔ پھر سے وہ اپنے ہوٹل کے اُسی شاندار کمرے میں پہنچ گیا۔ جس میں وہ پہلے رہتا تھا۔ پھر سے وہ قیمتی اور شاندار کپڑے پہننے لگا۔ جب پرانے دوستوں کو خبر ملی تو ایک بار پھر وہ اس کی تعریف کرنے کے لیے آموجود ہوئے۔

ایک دن اپنے شاندار کمرے میں بیٹھے بیٹھے سپاہی نے سوچا کیسی عجیب وغریب بات ہے کہ بے حد حسین شہزادی کو اب تک کوئی نہیں دیکھ سکا ہے کتنی شرم کی بات ہے کہ ایسی خوبصورت شہزادی پتھر کے قلعہ میں بند ہے اور اس کے اطراف اونچی اونچی دیواریں ہیں لیکن میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں اور دیکھوں گا۔ اور اگر میں نے اسے پالیا تو کیسی عمدہ بات ہوگی۔

فوراً وہ اٹھا اس نے لکڑی کا وہ ڈبہ جس پر چقماق لگا ہوا تھا نکالا۔ صرف ایک بار ہی اس نے ڈبے کو رگڑا ہوگا کہ وہ کتا جس کی آنکھیں چائے کی پیالیوں کے برابر تھیں سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ بولا "کیا حکم ہے آقا"

سپاہی نے کتے کو دیکھ کر کہا۔ اس بار تم کچھ دیر سے آئے ہو خیر کوئی بات نہیں میں چاہتا ہوں اس حسین شہزادی کو دیکھوں جو اونچی اونچی دیواروں والے

پتھر کے قلعے میں بند ہے صرف ایک منٹ کے لیے۔

اتنا سنتے ہی کتا باہر لپکا ابھی سپاہی نے اِدھر اُدھر دیکھا ہی ہوگا کہ کتا کدھر گیا ہے کہ کتا آموجود ہوا۔ اس کی پیٹھ پر شہزادی سو رہی تھی۔ واہ۔ سچ مچ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ دیکھنے والا۔ ایک نظر میں پہچان لیتا تھا کہ وہ شہزادی ہے سپاہی بے قرار ہوگیا اس نے ایک سچے سپاہی کی طرح جھک کر شہزادی کا ہاتھ چوم لیا۔

اب سپاہی شہزادی کا ہاتھ اچھی طرح چومنے بھی نہ پایا تھا کہ کتا شہزادی کو لے کر فرار ہوگیا۔ کیوں۔ ایک منٹ ہو چکا تھا۔

دوسرے دن صبح بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ ناشتہ کرتے ہوئے شہزادی بولی: "رات میں نے ایک بڑا عجیب و غریب خواب دیکھا ہے"۔

ملکہ نے پوچھا "وہ کیا؟"

شہزادی بولی "یہی کہ میں ایک بہت بڑے کتے پر سوار جا رہی ہوں، ایک سپاہی نے جھک کر میرا ہاتھ چوم لیا"۔

ملکہ بولی "یہ تو بڑا پیارا خواب ہے۔

مگر ملکہ بڑی ہوشیار تھی۔ اس نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا مگر چند بوڑھیوں کو قلعہ میں مقرر کر دیا کہ وہ رات بھر شہزادی کی دیکھ بھال کریں اور ہمیشہ ساتھ رہیں اصل میں وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ شہزادی کا کوئی خواب ہے یا سچ مچ کوئی کتا وہاں آتا ہے۔

دوسری رات آئی تو سپاہی نے پھر کتے کو بلایا، اور شہزادی کو لانے کے لیے بھیجا۔ کتا جس قدر تیز ہو سکتا تھا دوڑا ہوا گیا اور شہزادی کو لیے واپس ہوا۔ ایک بوڑھی خادمہ نے کتے کو دیکھتے ہی اس کا پیچھا کیا جب کتا ایک بہت بڑی عمارت میں گھس گیا تو اس بڑھیا نے اپنے پاس سے ایک چاک کا ٹکڑا نکالا اور

اس عمارت کے دروازے پر چلیپا (×) کا نشان لگایا اور خود قلعہ کو واپس ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد کتا اور شہزادی دونوں لوٹ آئے کتے شہزادی کو قلعے میں چھوڑ کر واپس ہوا تو دیکھا کہ جس گھر میں کتا شہزادی کو لے کر داخل ہوا تھا وہاں چاک کا نشان بنا ہوا ہے کتے نے بھی اِدھر اُدھر ڈھونڈھ کر چاک کا ایک ٹکڑا لیا اور ایسے ہی نشان بستی کے سارے گھروں پر بنا دیے۔

دوسرے دن صبح بڑھیا کے کہنے پر بادشاہ اور ملکہ اپنے درباریوں کے ساتھ اس گھر کو دیکھنے کے لیے چلے کہ دیکھیں رات شہزادی کہاں گئی تھی۔ مگر وہ سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بستی کے سارے گھروں کے دروازوں پر چاک کے نشان بنے ہوئے ہیں ان سب لوگوں نے بڑی کوشش کی کہ پتہ چلائیں کہ شہزادی کہاں جاتی ہے۔ مگر انھیں مایوسی ہوئی۔

ملکہ پھر بھی بہت ہوشیار تھی۔

اس نے شاہی گاڑی میں بیٹھ کر بستی میں اصلی گھر ڈھونڈھنے کو ہی کافی نہیں سمجھا بلکہ اس نے سونے کی ایک قینچی لے کر ریشمی کپڑے کی باریک پٹیاں کاٹ کر ایک چھوٹا سا بیگ بنایا۔ اس بیگ میں اس نے بہت باریک پسا ہوا آٹا بھر دیا۔ پھر یہ بیگ اس نے چپکے سے شہزادی کی پیٹھ سے اس طرح باندھ دیا کہ اسے بالکل خبر نہ ہو۔ پھر رات ہونے سے پہلے پہلے ملکہ نے اس بیگ میں ایک سوراخ بھی کر دیا۔ تاکہ اس بیگ سے آہستہ آہستہ آٹا گرتا رہے۔

" لو صاحب رات ہوئی تو وہی کتا پھر آیا۔ اپنی پیٹھ پر اس نے شہزادی کو سوار کرلیا۔ اور دوڑا۔ سپاہی اب سچ مچ شہزادی کو چاہنے لگا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ خود بھی ایک شہزادہ بن جائے۔ وہ شہزادہ بن کر ہی شہزادی سے شادی کر سکتا تھا۔

کتا شہزادی کو لے آیا مگر وہ یہ نہیں دیکھ سکا کہ شاہی محل سے سپاہی کے گھر

تک آٹے کی ایک لکیر بنتی چلی گئی ہے پھر واپسی میں سپاہی کے گھر سے شاہی محل تک ایک اور آٹے کی لکیر ہے۔

بس اب کیا تھا دوسرے ہی دن صبح سویرے سپاہی کا گرفتار ہونا معمولی بات تھی۔ سپاہی کو جیل خانے میں بند کر دیا گیا۔ اور جیل خانہ بھی کیسا' بے حد تاریک' ہیبتناک' ڈراؤنا پھر تھوڑی دیر سے جیل خانے کا آدمی آکر اُسے یاد دلا جاتا کہ کل اُسے پھانسی دے دی جائے گی۔

سپاہی بڑا پریشان تھا۔

اس کا وہ جادو کا ڈبہ بھی ہوٹل میں رہ گیا تھا دوسرے دن جب سورج نکلا تو سپاہی نے جیل خانے کی کھڑکی سے دیکھا کہ لوگ اس جگہ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں جہاں اُسے پھانسی پر لٹکایا جانے والا تھا پھر اُسے ان شاہی باجوں کی بھی آوازیں سُنائی دیں جو سپاہی بجاتے جا رہے تھے اُف کس قدر بھیڑ ہو گی اس بھیڑ میں ایک نیا نیا جوتا بنانے والا بھی تھا۔ دوڑ بھاگ میں اس کا ایک سلیپر اچھل کر جیل خانے کی کھڑکی سے ٹکرایا۔ سپاہی فوراً چیخا۔ سنو سنو بھائی اتنی جلدی بھاگنے کی ضرورت نہیں جب تک میں وہاں نہیں پہنچ جاؤں۔ وہاں کچھ نہیں ہوگا۔

موچی کے لڑکے نے اوپر دیکھا سپاہی بولا۔ میرا ایک کام کر دو میں جس ہوٹل میں تھا۔ اس کے کمرے میں میرا ایک چقماق کا ڈبہ رکھا ہے وہ اٹھا لاؤ میں تمہیں اس کے بدلے سونے کا ایک سکہ دوں گا۔ مگر بس جتنی جلدی ہو سکے جاؤ اور وہ ڈبہ لا دو دوڑو ــــ

موچی کا لڑکا سونے کے سکے کا نام سنتے ہی ہوٹل کا پتہ پوچھ کر بھاگا اور فوراً چقماق کا ڈبہ سپاہی کو لا کر دے دیا۔ پھر کیا ہوا معلوم ہے۔ لو ہم سُناتے ہیں۔ شہر کے باہر لمبے چوڑے میدان میں بیچوں بیچ ایک ایسا تختہ تیار کیا گیا جس پر

کھڑا کر کے سپاہی کی گردن نٹ سے کاٹ دی جائے۔ اس تختے کے آس پاس شاہی سپاہی اور دوسرے ہزاروں لوگ کھڑے ہو گئے ایک طرف شاہی تخت پر بادشاہ اور ملکہ بھی آ بیٹھے بادشاہ اور ملکہ کے سامنے دربار کے منصف لوگ بھی بٹھا دیے گئے پھر سپاہی کو لایا گیا۔

سپاہی کو پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیا گیا جلاد سپاہی کی گردن کے چاروں طرف رسی باندھنے لگے۔ سپاہی بولا۔ پھانسی دینے سے پہلے ہر قیدی کی آخری خواہش پوری کی جاتی ہے۔

بادشاہ کے درباریوں نے پوچھا۔ تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟"

سپاہی بولا" میں حضور صرف ایک پائپ میں تمباکو ڈال کر پینا چاہتا ہوں۔ بس میرا یہ آخری کش ہوگا"

بادشاہ سپاہی کی اس آخری خواہش سے انکار نہیں کر سکا۔ سپاہی نے اپنا چقماق کا ڈبہ نکالا۔ ایک بار اسے رگڑا' دوسری بار رگڑا ____ تیسری بار رگڑا ____ اچانک تینوں خوفناک کتے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ پہلے کتے کی آنکھیں چائے کی پیالیوں کی طرح بڑی بڑی تھیں دوسرے کتے کی آنکھیں گرنی کے پنکھوں کی طرح بڑی بڑی تھیں۔ اور تیسرے کتے کی آنکھیں برجیوں جتنی بڑی بڑی تھیں۔

سپاہی نے ان کتوں سے کہا۔ میری مدد کرو' میری مدد کرو' مجھے پھانسی دی جا رہی ہے۔ مجھے پھانسی سے بچاؤ اتنا سنتے ہی کتے' دربار کے منصفوں اور درباریوں پر جھپٹ پڑے۔ ان لوگوں کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر ہوا میں اتنی اوپر اچھال دیا کہ یہ سب نیچے گرے تو پاش پاش ہو گئے۔

بادشاہ ان کتوں کو روکنے ہی والا تھا کہ ان کتوں نے بادشاہ اور ملکہ کو بھی ہوا میں اچھال دیا۔ سارے سپاہی اور تماشا دیکھنے والے خوف سے لرزنے لگے سب

نے ایک آواز ہو کر پکارا۔ ہمارے اچھے سپاہی، پیارے سپاہی۔ اپنے ان کتوں کو مدد کرو۔ آج سے تم ہمارے بادشاہ ہو، اور شہزادی تمہاری ملکہ۔ تمہاری بیوی ہوگی۔

ہر طرف خاموشی چھا گئی سپاہی کو شاہی محل میں لے جایا گیا۔ یہاں شہزادی ملکہ بنی سپاہی کا انتظار کر رہی تھی۔ شہزادی نے سوچا پتھر کے قلعہ میں قیدی بن کر رہنے سے شاہی محل میں ملکہ بن کر رہنا کہیں اچھا ہے۔ بہت اچھا۔

بطخ کا بچّہ

چاروں طرف ایک عجیب نکھار تھا، گرمیوں کے دن تھے، کھیتوں میں گیہوں کی بالیاں پک چکی تھیں۔ درختوں پر ہرے ہرے پھل نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ جدھر دیکھو بگلے اپنی لمبی لمبی لال ٹانگوں پر کھڑے دکھائی دیتے تھے، آپس میں اس طرح چٹر پٹر کر رہے تھے جیسے مصری بولی بول رہے ہوں شاید یہ بولی انھوں نے اپنی ماں سے سیکھی تھی۔ کھیتوں اور سبزہ زاروں کے کنارے جنگل تھے اور جنگل کے بیچوں بیچ ایک گہری جھیل تھی۔ ایسی خوبصورت جھیل سارے ملک میں نہیں تھی۔ جب سورج نکلتا تو سورج کی کرنیں سب سے پہلے گاؤں کے ایک پُرانے گھر پر پڑتیں جو پیاری پیاری نہروں سے گھرا ہوا تھا۔ پھر یہ کرنیں گھر کی دیواروں سے اترتیں تو پانی کے کناروں پر آجاتیں۔ پانی کے کنارے لمبے لمبے پتوں والے پودے تھے یہ پتے اور جھاڑیاں اتنی اونچی اونچی تھیں کہ بچے ان میں آسانی سے کھڑے ہو کر چھپ سکتے تھے۔

یہ حصہ ایسا سنسان تھا جیسے جنگل کا کوئی گھنا مقام ہوتا ہے اس لیے ایک بطخ نے اپنا گھونسلا بنانے کے لیے یہ جگہ چنی۔ یہ بطخ بہت دنوں سے یہاں رہتی

تھی کبھی کبھی دوسری بطخیں بھی ادھر آجاتی تھیں۔ مگر یہ پانی میں تیرنے کے بجائے پانی کے کنارے ٹھہر کر گپ شپ کرنا اچھا سمجھتی تھیں۔

دیکھتے دیکھتے بطخوں کے انڈے بھی پکنے شروع ہو گئے۔ انڈے تیار ہوئے تو پہلے ایک چھوٹا سا نکلا۔ پھر ایک ایک کر کے سارے انڈوں سے بچے نکل آئے۔

"کوئیک کوئیک" بطخ بولی۔ اور سارے بچے ہرے ہرے پتوں سے جن پر ٹوٹے ہوئے انڈے رکھے ہوئے تھے جھانکنے لگے۔

"اوفوہ" ایک بطخ کا بچہ بولا' یہ دنیا کتنی بڑی ہے بطخ بولی "تم سمجھتے ہو دنیا بس اتنی ہی ہے اس سے آگے باغیچے سے ادھر اور کھیتوں سے دور یہ دنیا بہت پھیلی ہوئی ہے"

"میں اتنی دور تک گئی نہیں مگر مجھے معلوم ہے تم سب یہیں رہنا۔ یہ کہہ کر بطخ اٹھی پھر بولی" ارے میرا سب سے بڑا انڈا تو ابھی تک ایسا ہی ہے یہ کب تک ایسا ہی رہے گا" یہ کہہ کر وہ پھر انڈے پر بیٹھ گئی۔

ایک طرف سے ایک بوڑھی بطخ آتی ہوئی بولی" ادھو کیسی ہو"

بطخ بولی" ایک انڈا بڑی دیر لگا رہا ہے' شاید یہ ابھی تڑکے گا نہیں۔ میرے دوسرے بچوں کو دیکھو۔ بڑے پیارے پیارے ہیں"

بوڑھی بطخ بولی" یہ ٹرکی انڈا معلوم ہوتا ہے ایک دفعہ میں نے بھی ایسا ہی دھوکا کھایا تھا۔ ان بچوں نے بھی بڑی تکلیف دی، پانی سے ایسا ڈرتے تھے کہ میں خود پانی کے قریب نہیں جا سکتی تھی۔ میں نے انہیں بلایا' ڈرایا' دھمکایا' مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، ٹھہرو' مجھے ذرا انڈا تو دیکھنے دو۔ ہاں بالکل یہ ٹرکی انڈا ہے' چھوڑو اسے آؤ اپنے دوسرے بچوں کو تیرنا سکھاؤ"

بطخ بولی۔ تھوڑی دیر اور اس انڈے پر بیٹھوں گی جہاں اتنے دن گزرے ایک دو دن اور سہی۔

بوڑھی بطخ بولی" ہونہہ مجھے کیا کچھ بھی کرو" اور ایک طرف چلی گئی۔

آخر وہ بڑا انڈا ٹوٹا ـــــ

" ہپ ہپ" بچے نے انڈے سے سر نکالا اور پھر باہر آگیا۔

" اوہ کتنا بڑا بچہ ہے اور پھر ایسا بدصورت" بطخ اسے دیکھ کر بولی۔ مگر ہے بہت مضبوط، کوئی بچہ ایسا طاقتور نہیں۔ ضرور یہ ٹرکی مرغ نکلے گا۔ خیر کچھ ہو، جو بھی ہوگا جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ اب اسے مجھے پانی میں دھکیلنا ہوگا۔

دوسرا دن نکلا تو موسم اور زیادہ خوشگوار تھا۔ ہرے ہرے پتوں پر سورج نہایت شان سے چمک رہا تھا، بطخ اپنے سارے خاندان کے ساتھ نہر کی طرف بڑھی۔ وہ پانی میں تیرنے لگی۔ پھر بولی " کوئیک کوئیک" آؤ ـــ سارے بطخ کے بچے ایک کے بعد ایک پانی میں کود گئے پہلے تو پانی ان سب کے سروں پر آگیا پھر وہ ابھر کر پانی پر آ گئے اور تیرنے لگے۔ سب کے سب تیرنے لگے۔ وہ آخری بدصورت بچہ بھی پانی پر تھا۔

بطخ اُسے دیکھ کر بولی۔ نہیں نہیں یہ ٹرکی نہیں ہو سکتا، دیکھو تو پانی میں کیسے اپنے پیر چلا رہا ہے خود بخود کیسے تیرنے لگا۔ یہ میرا اپنا بچہ ہے پر ہاں بہت پیارا ہے۔ کوئی اِسے نزدیک سے تو دیکھے " کوئیک کوئیک" میرے ساتھ آ میرے بچے میں اس بڑی دنیا میں تجھے لیے چلتی ہوں۔ مگر بیٹے میرے ساتھ ساتھ رہنا نہیں تو کوئی تجھے کچل دے گا۔ اور ہاں بلی سے خبردار رہنا۔

جب سارے بچے اپنے مقام پر واپس پہنچے تو کچھ دوسری بطخیں سوکھی مچھلی کے ایک سر کے لیے لڑ رہی تھیں ـــ ہوا کیا ـــ بلی آئی اور مچھلی کا سر اُڑا لے گئی۔

بطخ اپنے پروں کو پھلا کر بولی "دیکھو بچو دنیا کا یہی طریقہ ہے" بطخ کو خود بھی مچھلی کا بھُنا ہوا سر بہت پسند تھا پھر بولی چلو۔ اپنے پیروں پر چلو پاس پاس پیر رکھو اور چلتے چلو۔ اس بوڑھی بطخ کو دیکھتے ہو۔ بڑے شریف خاندان کی ہے، ہسپانوی خون ہے۔ دیکھنے اور طور طریقوں ہی سے پتہ چل جاتا ہے اور دیکھو اس کے پیروں پر سرخ جھلی بھی ہے، یہی اس کے بڑے پن کی نشانی ہے ہر شاندار بطخ کے پیروں پر ایسی ہی سُرخ کھال ہوتی ہے۔ دوسری بطخ دُور سے بولی، یہاں بھی پھر سے تیاری ہے ہم بھی بہت جلد زیادہ سے زیادہ ہو جائیں گے۔ ارے یہ بدصورت کون ہے ہم تو اس کو نہیں چھوڑیں گے" اور فوراً ہی ایک بطخ نے اُڑ کر اس بدصورت بچے کی گردن پر کاٹ لیا۔

بطخ بولی" ارے اُسے چھوڑ دو، وہ کسی کو نہیں چھیڑتا تو تم لوگ اُسے کیوں ستا رہے ہو" ہاں پھر وہ کتنا بڑا اور بدصورت ہے"

پھر وہ بوڑھی بطخ جس کے پیروں پر لال کھال تھی بولی " تمہارے سب ہی بچے اچھے ہیں سوائے اس کے۔ ذرا اس کو اچھا بناؤ بھئی"

بطخ بولی۔ ہاں یہ تو ہے یہ خوبصورت نہیں ہے مگر ہے بہت اچھا۔ خوب تیرتا ہے، میں تو کہوں گی تم سب سے اچھا تیرتا ہے بہت جلد وہ بھی خوبصورت ہو جائے گا۔ بہت بڑا نظر آتا ہے تو کچھ دنوں بعد چھوٹا بھی نظر آنے گا۔

یہ کہہ کر ماں نے اپنے بچے کو پیار سے اس کی گردن پر ٹھونگ ماری پھر اس کے سر پر چونچ کر پر صاف کرتی ہوئی بولی۔ یہ نر بچہ ہے خوب مضبوط نکلے گا دیکھنا تم، ہاں اس کی طرح کوئی نہیں لڑ سکے گا۔

بوڑھی بطخ بولی" مگر بھئی تمہارے دوسرے بچے بہت اچھے ہیں۔ بہت

پیارے ہیں۔ اچھا میں چلتی ہوں، تم اگر یہاں رہو تو مچھلی کے سر میں میرے حصے کا ضرور خیال رکھنا ہاں"

سب کی سب بطخیں اپنے اپنے گھروں کی طرف چلی گئیں، مگر وہ غریب بطخ کا بچہ جو سب سے آخر میں انڈے کے خول سے نکلا تھا اور سب سے بہت بدصورت تھا۔ جسے سب نے چھیڑا تھا، مارا تھا، ستایا تھا۔ ایک ٹرکی مرغ کو دیکھنے لگا۔ وہ اس ٹرکی مرغ سے بڑا پریشان تھا۔ یہ ٹرکی مرغ جس کے سر پر لال کلنی تھی جو اپنے آپ کو مہاراجہ سمجھتا تھا۔ خوب اکڑ اکڑ کر چلتا تھا۔ جیسے کوئی بڑا جہاز اپنی پوری رفتار سے پانی پر چلا جارہا ہو۔ بطخوں کی طرف جاتے وقت وہ بالکل لال ہو جاتا تھا۔ بطخ کے بچے کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کی صورت سے اُسے بہت ڈر لگتا تھا۔

خیر کسی طرح پہلا دن گذر گیا مگر پھر حالات خراب ہوتے چلے گئے، خود اس کے سگے بہن بھائی اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔ بے رحم بن گئے تھے، کبھی کہتے خدا کرے اِسے بلی کھا جائے، ماں بھی کبھی کبھی تنگ کہتی، کہتی کاش تو پیدا ہی نہیں ہوتا تو اچھا تھا، دوسری بطخیں بھی اُسے مارتی تھیں، مرغیاں اس پر چونچ چلاتیں اور وہ لڑکی جو مرغیوں اور بطخوں کو دانہ ڈالتی تھی اسے ٹھوکر مارتی تھی۔ وہ باڑھ کی طرف دوڑتا تو جھاڑیوں میں سے ننھی ننھی چڑیاں گھبرا کر اُڑنے لگتیں

بطخ کا بچہ سوچتا یہ صرف اس لیے ہے کہ وہ بدصورت ہے۔ سب باتوں کی وجہ یہ ہے کہ میں بدصورت ہوں نہ۔ وہ اچانک دوڑنے لگا۔ دوڑتے دوڑتے ایک چوڑے چشمے تک پہنچا جہاں جنگلی بطخیں رہتی تھیں۔ وہ ساری رات بے حد غمگین اور تھکا تھکا سا پڑا رہا۔

صبح ہوئی تو جنگلی بطخوں نے اسے دیکھا، بولیں" ارے تم کون ہو ؟"

بطخ کے بچے نے بڑی عاجزی سے کہا: "جی ہاں میں ہوں"
جنگلی بطخیں بولیں "سچ مچ تم بہت بدصورت ہو ۔۔۔ خیر ہمارا کیا ہے ہمیں کوئی تمہارے خاندان میں شادی کرنی تھوڑی ہی ہے"
بے چارہ غریب بطخ کا بچہ ۔۔۔ اس نے شادی کی بات تو کبھی سوچی ہی نہیں تھی ۔ وہ تو چاہتا تھا بس پانی کے کنارے اگنے والی لمبی لمبی گھاس پر آرام سے لیٹا رہے اور چشمے کا ٹھنڈا پانی پیے ۔ اور اسی لیے وہ دن تک اسی چشمے کے کنارے ٹھہرا رہا۔
تیسرے دن دو جنگلی قازیں آئیں ایسا معلوم ہوتا تھا یہ بھی ابھی ابھی پیدا ہوئی ہیں ۔ دونوں قازیں بولیں تم بہت بدصورت ہو مگر ہمارے ساتھ دوسرے چشمے تک چلو کچھ زیادہ دور نہیں ہے ۔ وہاں کچھ اور قازیں ہیں پیاری پیاری جنگلی قازیں، وہ بڑے مزے سے "پیں پیں" کرتی ہیں ۔ تمہارے لیے یہ اچھا موقع ہے تم اپنے لیے ان میں سے کوئی "بیوی" تلاش کرلو ۔ ہاں چلو ۔ پھر تم جیسے بدصورت کو کوئی اور نہیں ملے گا۔
اچانک "ٹھن" کی آواز ہوئی ۔ بندوق چلی اور دونوں قازیں لمبی لمبی گھاس کی پتیوں پر گر پڑیں ۔ وہ مر چکی تھیں ۔ "ٹھن" ۔ بندوق کی ایک اور آواز ہوئی اور جنگلی قازوں کا جتھہ چیختا چلاتا اوروں کو پکارتا ہوا اوپر اڑنے لگا۔
ہوا یہ تھا کہ وہاں کچھ شکاری آگئے تھے ۔ اور یہ بندوقچی اچانک چاروں طرف پھیل گئے تھے، کچھ درختوں پر گھنے پتوں میں چھپے ہوئے تھے کچھ اِدھر اُدھر درختوں کی آڑ میں تھے ان کے کتے کیچڑ میں دور چشمے کے کنارے لمبی لمبی گھاس میں پھیل گئے تھے ۔ ان کتوں نے تو بے چارے بطخ کے بچے کو ڈرا ہی دیا، اس نے اپنے پروں میں سر چھپانا چاہا، اسی وقت ایک ڈراؤنا کتا قریب سے گذرا۔

اس کتے نے پہلے تو بطخ کے بچے کے قریب اپنی ناک کی' سفید نوکیلے دانت دکھائے پھر ایکدم مڑکر ستائے بغیر آہستہ آہستہ چلا گیا۔ بطخ کے بچے نے ایک لمبی سانس لی۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اتنا بدصورت ہوں کہ کوئی کتا بھی مجھے کاٹنا نہیں چاہتا۔ پھر وہ گھاس کی لمبی لمبی پتیوں میں چھپنے کی کوشش کرنے لگا۔

دنا دن آوازیں برابر آرہی تھیں' دن کے ختم ہونے تک یہی ہوتا رہا۔

آوازوں کے ختم ہونے تک بے چارہ گھاس کی پتیوں سے باہر جھانکنے کی ہمت نہ کرسکا۔ باہر نکلنے کی کوشش کرتا اور دن کی آواز کے ساتھ پھر چھپ جاتا تھا۔ جب آوازیں ختم ہوئیں تو وہ چشمے سے نکل کر بھاگا۔ اس قدر تیز جتنا وہ بھاگ سکتا تھا۔ کھیتوں پر سے' سبزہ زاروں پر سے وہ دوڑتا چلا گیا' دوڑتا رہا دوڑتا رہا۔

شام کے وقت وہ ایک بڑی پرانی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کے پاس پہنچا۔ وہ جھونپڑی اتنی بوسیدہ تھی کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ کب اور کس وقت گر جائے مگر پھر بھی وہ جھونپڑی تھی' دروازے کا ایک کنڈہ نکلا ہوا تھا۔ دروازے اور دیوار کے بیچ ایک بہت بڑا حصہ کھل گیا تھا۔ جب ہوا کسی قدر تیز ہوئی تو وہ اس جھونپڑی کے اندر چلا گیا۔

اس جھونپڑی میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔

بڑھیا کے ساتھ اس جھونپڑی میں ایک بلاوڑ اور مرغی بھی رہتی تھی' بڑھیا بلاوڑ کو جو بار بار اپنی زبان سے اپنی پیٹھ صاف کیا کرتا تھا۔ بیٹا بیٹا پکارتی رہتی تھی۔ وہ جواب میں میاؤں میاؤں کرتا تھا۔ مرغے کے بڑے چھوٹے چھوٹے پاؤں تھے۔ شاید اسی لیے بڑھیا اسے چکی چکی پکارتی تھی۔ مگر یہ مرغی خوب انڈے دیتی تھی اور بڑھیا بھی اسے اولاد کی طرح چاہتی تھی۔

دوسرے دن صبح ہوتے ہی بلاوڑ بطخ کے بچے کو دیکھ کر میاؤں میاؤں کرنے

لگا۔ اور مرغی اس نئے مہمان کو دیکھ کر کڑکڑانے لگی۔

"کیا بات ہے بچو!" بڑھیا چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ اسے اچھی طرح دکھائی بھی نہیں دیتا تھا۔ بڑی مشکل سے جب اس نے بطخ کے بچے کو دیکھا تو بولی۔ اوہو۔ راستہ بھول گئی ہو۔ تم تو خوب ملیں۔ اب مجھے بطخ کے انڈے بھی ملیں گے۔ کہیں یہ نر نہ ہو۔ خیر میں دیکھوں گی انتظار میں کیا رکھا ہے۔ انتظار کروں گی

بطخ کے بچے نے تین ہفتے وہیں بڑھیا کی جھونپڑی میں گزارے، بڑھیا بولی اب انڈوں کی آس بیکار ہے۔ بلاوڑ اس گھر کا مالک تھا اور مرغی اس گھر کی مالکن۔ مگر دونوں میں لڑائی نہیں ہوتی تھی۔ دونوں مل کر کہا کرتے تھے۔ یہ جھونپڑی ہماری ہے۔ یہ ہماری دنیا ہے۔

بطخ کا بچہ بولا۔ "نہیں"

تو پھر چپ رہو۔

بلاوڑ بولا تو پھر چپ رہو۔ جب دو سمجھ دار ہستیاں بات کر رہی ہوں تو بیچ میں نہیں بولنا چاہیے۔

بس صاحب بطخ کا بچہ بے چارہ اداس ہو کر ایک کونے میں بیٹھ گیا، بیٹھا رہا، بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ اچانک تازہ ہوا کا ایک جھونکا جھونپڑی کے اندر آیا اور دھوپ چمکنے لگی۔

بطخ کے بچے کے دل میں تیرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ وہ بولا چلو ایک طرف ہٹو۔ مرغی بولی، چپ چاپ بیٹھے رہو یونہی۔ نہ تم انڈے دے سکتے ہو اور نہ میاؤں

معاف کر سکتے ہو۔ بھول جاؤ سب شیخی۔

بطخ کا بچہ بولا۔ تیرنے میں جو مزہ آتا ہے وہ تم کیا جانو جب پانی سر پر سے گذرتا ہے اور تم غوطہ لگاؤ گی تو بہت مزہ آئے گا۔

مرغی بولی "خوب یہ عجیب مزہ ہے تم دیوانے ہو، مجھ سے مت پوچھو جاؤ بلاوڈ سے کچھ جو کہنا ہے:

"بلاوڈ سے ؟"

"ہاں وہ سب سے زیادہ سمجھدار ہے پوچھو اس سے کیا وہ تیرنا پسند کرتا ہے یا کبھی پانی کی تہہ میں غوطہ لگانا چاہتا ہے۔

بطخ کا بچہ سوچنے لگا۔

اچھا ذرا بڑی اماں سے پوچھو وہ بھی تو بہت عقلمند ہے کیا وہ تیرنا پسند کرتی ہے اور کیا وہ چاہے گی کہ پانی اس کے سر پر سے گذر جائے۔

"اوہ تم نہیں سمجھو گی" بطخ کا بچہ بولا۔

"ہم کیا نہیں سمجھیں گے بات دراصل یہ ہے کہ تم اپنے کو اس بلاوڈ سے بھی زیادہ عقلمند سمجھتے ہو، کیا تم اس بڑھیا سے بھی زیادہ سمجھدار ہو، خیر بھلا چھوڑو میرا کیا ہے پہلے تو تم ان مہربانیوں کا شکریہ ادا کرو جو تمہارے ساتھ کی گئیں، کیا تم ایک نہایت عمدہ گرم کمرے میں نہیں رہے، تم نے ہمارے ساتھ ہماری سوسائٹی میں رہ کر کیا نہیں سیکھا، اصل میں تم بہت باتونی ہو، اور بالکل بور ہو گئیں ہم تم برا مت مانو میں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچ سچ کہہ رہی ہوں، ہو سکتا ہے تمہیں بری لگے۔ سچی دوستی کا بھی یہی فرض ہے چلو آؤ ایک بار پھر میں تم سے کہتی ہوں اگر تمہیں کچھ کر دکھانا ہے تو اپنی پیٹھ آپ صاف کرنا سیکھو، یا پھر انڈے دینا سیکھو۔

بطخ کے بچے نے ساری باتیں سن کر کہا' میں تو سوچتا ہوں مجھے اس لمبی چوڑی دنیا میں کچھ کرنے کے لیے نکل جانا چاہیے۔

مرغی بولی۔ تو پھر جاؤ نا تمہیں کس نے روکا ہے دیر کس بات کی ہے۔

تو بس بچو! بطخ کا بچہ نکل کھڑا ہوا چل پڑا جھونپڑی سے کچھ ہی دور گیا ہوگا کہ اسے پانی ملا۔ چھپ سے وہ پانی میں کود پڑا اور مزے مزے سے تیرنے لگا۔ تہہ میں غوطہ بھی لگایا۔ دوسرے تیرنے والے جانور ادھر اُدھر سے گذرتے جا رہے تھے شاید اس کی بدصورتی کی وجہ سے کوئی قریب نہیں آ رہا تھا۔

پھر بچو خزاں کا موسم آگیا ـــــ

درختوں کے پتے پیلے اور بادامی ہونے لگے۔ ہوا سرسراتی ہوئی ان پتوں کے اطراف ناچنے لگی۔ پتے جھڑنے لگے۔ ہوا سرد ہوگئی۔ ہر طرف گھنے بادل چھانے لگے کوئل درختوں کی ٹہنیوں میں چھپ کر کوکنے لگی۔ بطخ کا بچہ یہ سب کچھ دیکھ کر حیران ہوتا گیا۔

ایک شام جب سورج غروب ہو رہا تھا۔ ٹوٹی پھوٹی جھاڑیوں سے پرندوں کا ایک غول نکلا بطخ کے بچے نے ایسے رنگ برنگے پیارے پیارے پرند کبھی نہ دیکھے تھے۔ کچھ پرندوں کی کلغیاں سفید اور چمکدار تھیں۔ لمبی لمبی گردنیں تھیں یہ خوبصورت نہیں تھے۔ جب یہ اپنے سفید سفید لمبے پیر پھیلا کر چیختے تھے تو بڑے بھلے لگتے تھے۔ دراصل یہ ہنس سرد علاقوں سے اڑ کر گرم علاقوں کی طرف جا رہے تھے پھر یہ ہنس اونچے اڑتے گئے۔ اونچے اڑتے گئے اتنے اونچے کہ بطخ کے بچے کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ ان ہنسوں کو دیکھنے کے لیے وہ پانی میں اتر گیا اور پہیے کی طرح گول گول گھومنے لگا۔ گردن چاروں طرف گھوم رہی تھی مگر ہنس آہستہ آہستہ غائب ہوتے جا رہے تھے۔ ہنس جیسے جیسے بلند ہو رہے تھے عجیب عجیب آوازیں آتی جا رہی تھیں۔

بطخ کا بچہ سوچنے لگا میں ان خوبصورت پرندوں کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ پتہ نہیں یہ کیا بول رہے ہیں، کہاں جا رہے ہیں۔ مگر ہیں بڑے پیارے۔ ایسا پیار اُسے کسی پرند پر نہیں آیا تھا۔ پھر اس کے دل میں ایک خواہش جاگی۔ کاش وہ بھی ایسا ہی ہوتا ایسا ہی خوبصورت، اس قدر خوبصورت بننے کے لیے وہ اپنے رہنے کے مقام اور اپنے سارے ساتھیوں کو چھوڑ دینے کے لیے بھی تیار تھا۔

جب ہنس غائب ہو گئے تو اُسے پتہ چلا کہ پانی بے حد ٹھنڈا ہے اتنا ٹھنڈا کہ وہ اپنے آپ میں گرمی پیدا کرنے کے لیے تیز تیز اور گول گول تیرنے لگا۔ گرمی لانے کے لیے اُسے خوب پیر چلانے پڑ رہے تھے۔ آخر کار وہ تھک گیا اور سردی سے اکڑ کر لیٹ گیا اور اس کے چاروں طرف برف ہی برف تھی۔

صبح سویرے ادھر سے ایک آدمی گزرا اس نے جو بطخ کے بچے کو دیکھا جلدی جلدی اپنے لکڑی کے بنے جوتوں سے چلتا اس پاس کی برف ہٹائی اور بچے کو اٹھا لیا۔ کچھ دیر ہوتی تو بچے کے ختم ہونے میں دیر نہ لگتی۔ اس آدمی نے خوشی خوشی سوچا میں اس بچے کو لے جا کر اپنی بیوی کو دوں گا۔

گھر پہنچتے ہی بطخ کے بچے میں نئی جان آ گئی جیسے ہی اسے گود سے اتارا گیا گھر کے بچے اس سے کھیلنے کے لیے لپکے۔ یہ سمجھا سب مجھے ستانے آ رہے ہیں۔ بطخ کا بچہ ڈر کر پہلے دودھ کے برتن میں کود پڑا۔ سارا دودھ اوپر اچھل پڑا۔ اس آدمی کی بیوی تالیاں بجاتی ہوئی دوڑی اور چیخنے لگی۔ اس کے آنے تک بطخ کا بچہ مسکے کے برتن میں پہنچ چکا تھا۔ مسکے کے برتن سے وہ کھانے کے برتنوں کی طرف بھاگا اور پھر باہر۔

عورت نے بطخ کے بچے کی طرف چمٹا پھینکا اور بچے اس کے پیچھے سے پکڑنے دوڑے۔ بچے پکڑنے کے لیے بطخ کے بچے کے پیچھے پیچھے

تے ہنس رہے تھے۔ وہ تو خدا کا شکر سمجھو کہ باہر کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ جھاڑیوں پر سے کودتا ہوا باہر بھاگا اور کچھ دور جا کر سڑک پر لیٹ گیا۔

مگر بطخ کے بچے نے اس گھر سے نکل کر بہت تکلیفیں اٹھائیں سارا سردی کا موسم اس نے بڑی مصیبت سے کاٹا۔ ایک دن ایک چشمے کے کنارے لمبی لمبی گھاس پر وہ لیٹا ہوا تھا، اچانک دھوپ نکل آئی — سارے پرندے گانے لگے۔ بہار کا موسم لوٹ آیا تھا۔

بطخ کے بچے نے اپنے پر سیدھے کیے پر جھٹکے اس نے محسوس کیا کہ اس کے بازو اب پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے بازوؤں کو جھٹکا جھٹکا کر چلنے لگا۔ ابھی کچھ ہی دور چلا تھا کہ وہ ایک بہت بڑے باغ میں پہنچ گیا۔

سیب کے درختوں پر کچھ عجیب بہار آئی ہوئی تھی۔ ہر طرف خوشبودار پھول ہی پھول تھے۔ درختوں کی ہری ہری لمبی شاخیں نہروں میں جھول رہی تھیں۔ ہر چیز خوبصورت سی ہو گئی تھی، سچ مچ ہر طرف بہار ہی بہار تھی۔

جھاڑیوں میں سے تین پیارے پیارے ہنس نکلے انہوں نے اکڑ کر اپنے سفید پر پھیلاتے پھر نہر میں ایسے آرام سے تیرنے لگے کہ ہر دیکھنے والے کا دل خوشی سے باغ باغ ہو جائے بطخ کا بچہ ان ہنسوں کو جانتا تھا۔ اس کا دل اداس ہو گیا۔ اس نے سوچا ان شاہی پرندوں کو یہاں سے کسی طرح اڑا دینا چاہیے ورنہ یہ پرندے مجھے مار ڈالیں گے میں بدصورت ہوں نا یہ ضرور مجھے مار ڈالیں گے۔ اچھا ہے اگر یہ مجھے مار ڈالیں۔ دوسری بطخوں کے ستانے، مرغیوں کے چونچ مارنے، دانہ ڈالنے والی لڑکی کے ٹھوکریں لگانے اور تالاب کی سردی میں اکڑنے سے تو ان شاہی پرندوں کے ہاتھوں مارا جانا ہی اچھا ہے۔

وہ پانی کی طرف اڑا اور ہنسوں کی طرف تیرنے لگا۔ ہنسوں نے بطخ کے بچے

کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ بطخ کا بچہ زور سے بولا۔ مجھے مار ڈالو یہ کہہ کر اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ جیسے بطخ کے بچے نے اپنا سر جھکایا اُسے پانی میں اپنا سایہ نظر آیا۔ مگر بطخ کا بچہ سایہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کا سایہ گندہ اور ڈراؤنا نہیں تھا۔ یہ تو ایک ہنس کا سایہ تھا۔ خوبصورت ہنس کا۔ اس نے سوچا کیا میں سچ مچ ہنس ہو گیا ہوں۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ بطخوں کے جھنڈ میں ہنس کا انڈا سینکا جائے۔ اور ہوا بھی ایسا ہی تھا —— وہ بطخ کا نہیں ہنس کا انڈا تھا۔

بڑے ہنسوں نے خوشی خوشی قریب آکر اسے چھیڑا۔ اب وہ بہت خوش تھا۔ ایک طرف اُس نے دیکھا تو کچھ چھوٹے چھوٹے بچے باغیچے میں دوڑ رہے تھے۔ پھر ان بچوں نے اس کی طرف اناج کے دانے اور روٹی کے ٹکڑے پھینکے ان بچوں میں سے ایک نے پکارا۔ دیکھو ایک نیا ہنس ان ہنسوں میں آگیا ہے دوسرے بچوں نے کہا

"ہاں ہاں ایک نیا ہنس آیا ہے" اس نئے ہنس کو دیکھ کر بچے تالیاں بجانے لگے۔

بھاگ بھاگ کر ان بچوں نے اپنے والدین کو پکارا اور نئے ہنس کے بارے میں بتایا۔ پھر کیا تھا کیک کے ٹکڑے اور روٹی کے ٹکڑے پانی میں پھینکے جانے لگے سب ہی کہنے لگے یہ نیا ہنس بہت خوبصورت ہے سب سے زیادہ خوبصورت ہے کتنا جوان، کتنا حسین! بڑے ہنسوں نے اس کے آگے سر جھکا دیا اور ہمارا یہ نیا ہنس شرمانے لگا۔ اس نے شرما کر اپنا سر اپنے اُجلے اُجلے پروں میں چھپا لیا۔

وہ بہت خوش تھا۔ بے حد خوش مگر مغرور نہیں تھا۔ اچھے دل والے

•

لوگ کبھی غرور نہیں کرتے۔ اسے یاد تھا کہ کبھی اس پر لوگ کس طرح ہنسا کرتے تھے۔ اس پر کیسے کیسے ظلم کرتے تھے۔ مگر اب سب ہی یہ کہہ رہے تھے کہ یہ ہنس سارے پرندوں میں سب سے خوبصورت ہے۔ آس پاس کی پھولوں کی شاخیں بھی اس کے آگے سر جھکا رہی تھیں۔ سورج کتنا روشن اور چمکدار تھا۔

اس نے اپنے پَر پھڑپھڑائے، لمبی گردن اونچی کی۔ پھر خوش ہو کر بولا۔

سچ ہے جب میں بدصورت تھا اور اُداس تھا تب میں نے آج کی خوشی کا کبھی خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ بہت خوش تھا۔

•••

اصلی شہزادی

کہتے ہیں کسی زمانے میں ایک شہزادہ تھا۔

شہزادہ چاہتا تھا اس کی شادی کسی شہزادی سے ہو، مگر شہزادی اصلی ہو، اس آرزو میں اس نے ساری دنیا کا سفر کیا۔ جگہ جگہ ڈھونڈا کہ اسے کوئی اصلی شہزادی ملے۔ مگر جب کوئی شہزادی ملتی تو کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو جاتی اور شادی نہ ہو سکتی تھی۔

ایسا نہیں ہے کہ اُسے شہزادیاں نہیں ملیں، بہت ملیں مگر وہ خود فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ اصلی شہزادی کون سی ہے کسی لڑکی میں کچھ کسر نکلتی کسی میں کچھ۔ آخر کار وہ اپنے محل کو واپس لوٹا بغیر کسی شہزادی کے۔ بہت اُداس، بے حد غمگین، وہ اصلی شہزادی بیوی بنانے کے لیے چُن رہا تھا۔ اور اسے اصلی شہزادی نہیں مل رہی تھی۔

——ایک شام بہت ہی خطرناک طوفان اٹھا——

خوب بادل گرجے، بجلیاں کڑکنے لگیں اور تیز بارش شروع ہو گئی چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ اس اندھیرے میں کسی نے محل کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا

بوڑھا بادشاہ یعنی شہزادہ کا باپ اس آواز کو سنتا رہا۔ پھر خود ہی دروازہ کھولنے کو اٹھا۔

بوڑھے بادشاہ نے دروازہ کھولتے ہی دیکھا۔ باہر ایک نازک سی لڑکی کھڑی ہے جو سچ مچ شہزادی ہے اس آندھی طوفان میں وہ بُری طرح کانپ رہی تھی، پانی سے شرابور، کپڑے بھیگ کر اس کے جسم سے چمٹ گئے تھے اور بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

بوڑھے بادشاہ کو دیکھتے ہی بولی۔ سچ ملیے میں اصلی شہزادی ہوں اور وہ جلدی جلدی اندر آگئی۔

بوڑھی ملکہ جو شہزادہ کی ماں تھی۔ بولی۔ تم اصلی شہزادی ہو یا نہیں؟ وہ ہم معلوم کرلیں گے۔ مگر کیسے معلوم کیا جائے گا یہ بوڑھی ملکہ نے نہیں کہا۔

بوڑھی ملکہ جلدی جلدی سونے کے کمرے میں گئی۔ بستر سے اس نے ساری چادریں نکال دیں۔ پھر بستر پر تین بیج رکھ دیے پھر بوڑھی ملکہ نے ان تین بیجوں پر ایک ایک کرکے بیس توشکیں ڈال دیں۔ پھر ان توشکوں پر بیس پروں والے نرم گدے بچھادیے اور بولی شہزادی آؤ یہاں اس نرم بستر پر سو جاؤ۔

دوسرے دن صبح بڑے سویرے بوڑھا بادشاہ اور ملکہ دونوں شہزادی کے کمرے میں پہنچے۔ بوڑھی ملکہ نے شہزادی سے پوچھا "کہو رات کیسے گذری؟"

شہزادی دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی: "آپ لوگ پوچھتے ہیں رات کیسے گذری" بہت بُری گذری، میں ساری رات پلک نہ جھپکا سکی، آنکھیں بند ہی نہیں کرسکی، پتہ نہیں میرے بستر کے نیچے کیا تھا۔ کوئی سخت چیز میرے نیچے چُبھ رہی تھی۔ برابر چُبھ رہی تھی، رات بھر میرا جسم کالا اور نیلا ہوتا رہا۔ بہت تکلیف دی ہے اس سخت چیز نے۔ پتہ نہیں وہ کیا تھا۔

بات صاف ہوگئی سچ مچ وہ اصلی شہزادی تھی بیش توشکوں اور بیش نرم نرم بستروں کے باوجود اُسے تین بیج چُبھ رہے تھے سچ مچ وہ اصلی شہزادی تھی جو اتنی چھوٹی سی چیز کو بھی بُری طرح محسوس کر رہی تھی۔

شہزادہ کو جب اس کی خبر ملی تو وہ بہت خوش ہوا اس نے اس لڑکی سے فوراً شادی کر لی۔ اور اپنی ملکہ بنالیا۔ وہ آخر اصلی شہزادی کو پا چکا تھا۔

پتہ ہے ان تین بیجوں کو اب شاہی میوزیم میں رکھ دیا گیا ہے جسے ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ دیکھ سکتا ہے اگر یہ بیج شاہی میوزیم سے کسی سے چُرائے نہ ہوں۔

خیال رہے یہ ایک سچی کہانی ہے۔

●●●

ننھی اِیڈا کے پھول

ننھی ایڈا بولی "میرے پھول تو مرجھا گئے!"

کل شام یہ کتنے تر و تازہ تھے، اور اب ہیں کہ یہ مرجھانے چلے جا رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

ننھی ایڈا کا ساتھی ایک طالب علم تھا۔ وہ ایڈا کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا تھا۔ ایڈا اُسے بہت چاہتی تھی۔ صرف اس لیے چاہتی تھی کہ وہ اسے مزے مزے کی کہانیاں سُنایا کرتا تھا۔ کہانیاں سُنانے کے ساتھ ساتھ وہ ایڈا کو کاغذ کے رنگ برنگے کھلونے بنا کر دیتا تھا۔ کاغذ کی ناچتی ہوئی عورتیں، کاغذ کے پھول، کاغذ کی کلیاں، کاغذ کے دل، اونچے اونچے قلعے جن میں دروازے بھی ہوتے تھے ایسے دروازے جو بند اور کُھل سکتے تھے۔

— وہ بڑا پیارا طالب علم تھا۔

ننھی ایڈا کی باتیں سُن کر وہ بولا "ایڈا تم جانتی ہو تمہارے یہ پھول رات کو ناچنے گئے تھے۔ اور اب وہ ناچتے ناچتے تھک گئے ہیں۔ اسی لیے تو ان پھولوں نے اپنے سر جھکا لیے ہیں۔

ایڈا بولی "چلو چلو اب مجھے بناؤ مت، پھول کہاں ناچتے ہیں پھول نہیں ناچتے
طالب علم بولا "واہ کیوں نہیں ناچتے پھول، برابر ناچتے ہیں۔ جب اندھیرا ہو جاتا ہے اور
ہم سب لوگ سونے کے لیے چلے جاتے ہیں تو پھول خوشی سے نیچے کود پڑتے ہیں اور
ناچنے لگتے ہیں۔ وہ ہر رات ناچتے ہیں۔

ایڈا بولی "کیا بچے بھی ناچنے جا سکتے ہیں؟

ہاں کیوں نہیں۔

مگر یہ پیارے پیارے پھول کہاں ناچنے کے لیے جاتے ہیں۔

کیا تم اس شاہی محل کی طرف نہیں گئیں جس میں بادشاہ گرمی کے دن گذارتا ہے۔ اس شاہی محل کے سامنے ایک بہت بڑا باغ ہے۔ یہ باغ ہمیشہ پھولوں سے بھرا رہتا ہے۔

ایڈا بولی، "وہ کل میں ممی کے ساتھ اس باغ میں گئی تھی مگر وہاں تو صرف درخت ہی درخت اور پتے ہی پتے تھے۔ وہاں پھول تو مجھے دکھائی نہیں دیے۔ بولو نا وہ پھول کہاں چلے گئے تھے، کیا گرمیوں میں بہت پھول کھلتے ہیں۔

طالب علم بولا "ہاں ایڈا گرمیوں میں بہت پھول کھلتے ہیں مگر وہ سب کے سب محل میں چلے گئے تھے۔ جیسے ہی بادشاہ اپنا گرمی محل چھوڑ کر سارے درباریوں کے ساتھ شہر جاتا ہے تو سارے پھول ہی شہر کی طرف دوڑتے ہیں اور محل میں خوب مزہ کرتے ہیں بڑا اچھا ہوتا اگر تم محل میں ان پھولوں کو دیکھتیں، دو پیارے پیارے گلاب کے پھول شاہی تخت پر بادشاہ اور ملکہ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں کنگھی کے پھول جو ہیں نا۔ وہ سب کے سب اپنے آپ کو ایک قطار میں کھڑا کر کے اپنا سر خم کر لیتے ہیں۔ کنگھی کے پھول سب سے شریف پھول مانے جاتے ہیں، پھر دوسرے رنگ برنگے پھول اندر آنا شروع ہوتے ہیں۔ اور

پہلے پھول، زعفرانی پھول، للی پھولوں کے ساتھ ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔

زعفرانی اور للی پھول دراصل عورتیں ہیں۔ پہلے بڑے بڑے پھول وہ ہیں جن کا کوئی ساتھی نہیں۔ بے چارے یہ پھول بس چاروں طرف دیکھتے ہیں کہ ہر چیز سلیقے سے ہو رہی ہے یا نہیں۔

ایڈا بولی یہ تو بتاؤ پھول بادشاہ کے محل میں کب ناچتے ہیں۔

ہوں۔ یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا ۔۔۔ شاید اُس وقت جب محل کا منتظم بڑی بڑی کنجیوں کا چھلا لگائے محل کے اندر آتا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ محل میں سب ٹھیک ٹھاک ہے، پھول بھی بہت ہوشیار ہیں۔ جیسے ہی کنجیوں کی ان کے کانوں میں پہنچتی ہے سب کے سب چپ ہو جاتے ہیں۔ کچھ اپنے آپ کو ریشمی پردوں کے پیچھے چھپا لیتے ہیں۔ بوڑھا منتظم اِدھر اُدھر دیکھ کر کہتا ہے یہاں تو پھولوں کی مہک ہی مہک ہے۔ مگر وہ ان پیارے پیارے پھولوں کو دیکھ نہیں سکتا۔

"بڑی عجیب بات ہے" ننھی ایڈا اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے تالیاں بجانے لگی۔ کیا میں بھی ان پھولوں کو نہیں دیکھ سکتی۔

ایڈا کا دوست بولا ضرور دیکھ سکتی ہو جب بھی محل کی طرف جاؤ تو بس کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھ لینا۔ آج میں نے بھی ایسا ہی دیکھا ہے۔ پتہ ہے میں نے کیا دیکھا، للی کا بڑا سا پھول ایک صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ یہ محل کی ایک بیگم تھی۔

ایڈا بولی۔ کیا ہر باغ کے پھول وہاں جا سکتے ہیں۔ اتنی دور دور تک۔

بے شک جاتے ہیں۔ ارے بھئی پھول تو اڑتے ہیں۔ تم نے پیاری پیاری تتلیوں کو نہیں دیکھا وہ کیسے اُڑتی ہیں۔ کیا یہ پھول سے کم ہیں۔

پھول بھی اپنے ڈنٹھل سے اوپر اٹھتے ہیں۔ ساتھ والے پتّے ہلا دیتے ہیں۔

پتے سوچتے ہیں، بے چارے پھول کب تک ہمارا سہارا لیے بیٹھے رہیں گے، انھیں اُڑنے دو، گھومنے دو' تم تو عام باغیچوں کی بات کرتی ہو، ہو سکتا ہے عام باغیچوں کے پھول یہ بات جانتے ہی نہ ہوں انھیں کیا خبر شاہی محل میں کیسی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں اب کی بار جب تم باغ میں جاؤ تو کسی نہ کسی پھول کے کان میں کہنا کہ دیکھو محل میں ساری رات پھولوں کا ناچ ہوتا ہے۔ جب تم یہ کہو گی تو تمہاری بات ایک پھول سے دوسرے پھول تک ہوتی ہوئی سارے پھولوں تک پہنچ جائے گی پھر دیکھنا ایک نہ ایک دن سارے پھول چمن سے اڑ جائیں گے۔ اور پھولوں پر لکچر دینے والے یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ آخر باغ کے سارے پھول کہاں چلے گئے۔

"سچ ؟" ایڈا بولی: مگر میں جو کچھ کسی پھول کے کان میں کہوں گی وہ بات دوسرے پھولوں تک کیسے پہنچ جائے گی۔ پھول تو بات نہیں کرتے نا؟

ہاں یہ تو صحیح ہے پھول بات نہیں کرتے۔ مگر وہ بات ایک دوسرے کو اشارے ضرور کرتے ہیں۔ ایسے اشارے جو ہر بات سمجھا دیتے ہیں۔ کیا تم نے پھولوں کو اِدھر اُدھر حرکت کرتے نہیں دیکھا ہے جب ٹھنڈی ہوا چلتی ہے تو وہ ہر بات سمجھ جاتے ہیں۔ وہ ساری باتیں جو ہم لوگ ایک دوسرے سے کرتے ہیں

ایڈا بولی۔ کیا پھول پر لکچر دینے والے ان اشاروں کو نہیں سمجھ سکتے۔

"کیوں نہیں سمجھ سکتے" ایڈا کا ساتھی بولا۔ سنو ایک صبح کیا ہوا معلوم ہے میں باغیچے میں ہی ایک جنگلی پھول ایک نہایت ہی نفیس گلابی پھول سے اشارے کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا تم بہت خوبصورت ہو، میں تمہیں بے حد چاہتا ہوں مگر پھولوں پر لکچر دینے والے ان باتوں کو پسند نہیں کرتے وہ فوراً تالی بجا کر جنگلی پھولوں کو ہوشیار کر دیتے ہیں۔ مگر تالی بجاتے وقت جنگلی پھول کے کھردرے پتے پروفیسر کی انگلیوں کو ایسے

پیچھے کے اُسے دوبارہ تالی بجانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

"واہ ۔ واہ ۔ واہ ۔ خوب" ایڈا نے ہنستے ہوئے کہا یہ بہت اچھا ہوا۔

جب ننھی ایڈا اور اس کے دوست میں باتیں ہو رہی تھیں تو ایک بوڑھا وکیل جو کسی سے ملنے آیا تھا اور پاس ہی صوفے پر بیٹھا تھا بولا " طالب علم تم کیسی باتیں بچوں کے ذہن میں بٹھا رہے ہو"

بوڑھے وکیل کو یہ کسی طرح گوارہ نہیں تھا کہ طالب علم ہنسی مذاق کی باتیں کرے اور اس پر طرح طرح سے منہ بنائے۔ بوڑھا وکیل ہمیشہ بچوں اور طالب علموں کو ڈانٹتا رہتا تھا۔ جب ایڈا کا ساتھی کہانی سُناتا کہ ایک آدمی دستانے پہنے ہوئے تھا۔ اور اپنے ہاتھوں میں دل لیے ہوئے تھا۔ یا کبھی کسی کہانی میں ذکر آتا کہ جو آدمی ہاتھوں میں دل پکڑا ہوا تھا وہ دل کا چور تھا۔ یا کبھی طالب علم کہتا کہ کوئی بوڑھی جادوگرنی ایک بہت بڑے پیلے پھول کو اپنا شوہر سمجھ رہی تھی اور اس کی ناک پر بیٹھی ہوئی تھی۔ تو بوڑھے وکیل کو ایسا مذاق بالکل پسند نہیں آتا تھا۔ وہ کہتا' میاں' اس قسم کی باتیں بچوں کے ذہن میں اُتارنے سے کیا فائدہ 'کیسے دیوانے لوگ ہیں بچوں سے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ مگر ایڈا تھی کہ اس کو اپنے ساتھی کی باتیں بہت پسند آتی تھیں۔

ایڈا سوچتی میرا ساتھی پھولوں کے بارے میں کیسی کیسی باتیں جانتا ہے کیسی انوکھی باتیں' اب تو اسے یقین ہوگیا تھا کہ سچ مچ اس کے پھولوں نے اس لیے اپنی گردن ڈال دی ہیں کہ وہ رات بھر ناچتے ناچتے تھک گئے تھے۔

فوراً ایڈا نے پھولوں کو گلے سے لگالیا اور اپنے کمرے کی طرف چلی' اس میز کے پاس پہنچی جہاں اس کے پیارے پیارے کھلونے رکھے تھے۔ اس کی گڑیا جھولے میں سو رہی تھی۔ ایڈا بولی۔ بس اب اٹھو صوفی آج رات تم میز کے خانے میں سوؤگی کیونکہ بے چارے پھولوں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ بیمار ہیں آج وہ تمہارے بستر پر سوئیں

گے۔ ہو سکتا ہے کل تک ان کی طبیعت ٹھیک ہو جائے۔ یہ کہہ کر ایڈا نے جھولے سے گڑیا نکالی۔ گڑیا نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر پھولوں کے لیے جھولا خالی کرنے پر وہ بڑی بڑی آنکھوں سے ایڈا کو دیکھنے لگی۔

ایڈا نے پھولوں کو گڑیا کے بستر پر لٹا دیا اور بولی۔ بس اب چپ رہو، اور چپ چاپ یہاں لیٹے رہو۔ میں تمہارے لیے گرم گرم چائے بناتی ہوں۔ تم کل تک بالکل اچھے ہو جاؤ گے۔ یہ کہہ کر ایڈا نے پھولوں کے بستر کے اطراف پردے کھینچ دیے تاکہ دھوپ آئے بھی تو آنکھوں کو تکلیف نہ دے سکے۔

ایڈا ساری شام اپنے ساتھی طالب علم کی کہی ہوئی باتوں پر غور کرتی رہی اور بستر پر جانے سے پہلے کھڑکی کی طرف دوڑی۔ جہاں اس کی ممی نے پردے کے پیچھے پھول سجائے تھے۔ وہ ان پھولوں کے کان میں آہستہ بولی: "میں خوب جانتی ہوں آج رات تم لوگ ناچنے کے لیے کہاں جانے والے ہو" مگر ان پھولوں نے ایسے ظاہر کیا جیسے انہوں نے ایڈا کی کوئی بات نہیں سُنی ہو۔

پھر اچانک آدھی رات کو اس کی آنکھ کھُل گئی۔

نیند میں بھی وہ طالب علم اور پھولوں کے خواب دیکھتی رہی۔ اس بوڑھے وکیل کو بھی ایڈا نے خواب میں دیکھا جو اس سے کہہ رہا تھا۔ ایڈا طالب علم تمہیں دیوانہ بنا رہا ہے۔

جب ایڈا کی آنکھ کھُلی تو اس نے دیکھا میز پر چراغ جل رہا ہے اس کی ممی گہری نیند سو رہی ہیں، ایڈا کہہ رہی ہے "کیا میرے پھول اب تک صوفی کے بستر پر ہیں؟"

ایڈا بستر سے اٹھی اور دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ دروازہ کھُلا تھا مگر آدھا۔ اس نے دیکھا اس کے پھول اور کھلونے جیسے کے ویسے ہیں۔ اسی طرح جیسے اس

سے نے چھوڑا تھا۔

پھر اُسے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی پیانو بجا رہا ہے بہت ہلکے ہلکے اور میٹھے سُروں میں ایسی میٹھی دُھن اس نے کبھی نہیں سُنی تھی۔

اب تو یہ سچ میرے پھول وہاں ناچ رہے ہوں گے۔ ایڈا نے سوچا، مگر میں کیسے دیکھ سکوں گی۔ وہ اپنی ممی اور ڈیڈی کے خوف سے بستر سے اٹھ نہ سکی: کاش وہ پھول یہاں آجاتے۔ مگر پیانو میٹھے سُروں میں بجا رہا تھا۔ وہ اور برداشت نہ کر سکی بستر سے رینگتی ہوئی اٹھی اور کمرے کے اَدھ کھلے دروازے کی طرف چلی۔

اللہ۔ تم جانتے ہو ایڈا نے وہاں کیا دیکھا۔ دیکھا کہ کمرے میں چراغ نہیں ہے پھر بھی کمرہ خوب روشن ہے کمرے کے فرش پر چاروں طرف چاندنی پھیلی ہوئی ہے پھول اور کلیاں دو قطاروں میں کھڑے تھے کھڑکیوں میں خالی گلدان موجود تھے اور پھول ایک دوسرے کو ہرے پتوں کے ذریعے تھامے ہوئے بڑی شان سے ناچ رہے تھے پیانو پر ایک بہت بڑا زرد پھول بیٹھا ہوا تھا۔ اتنا بڑا پھول ایڈا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہاں اُسے یاد آیا کہ یہ پھول بالکل لارا کی طرح تھا جو اس کی سہیلی تھی۔ اب پھول ہنس رہے تھے۔ لارا ہی کی طرح یہ پھول ایک طرف سر جھکائے پیانو بجا رہا تھا۔ اور وقفہ وقفہ سے اپنا سر ہلا رہا تھا۔

پھر ایک بہت بڑا نیلا پھول آگے بڑھا۔ اس میز کی طرف چلا جہاں ایڈا کے کھلونے رکھے تھے پھر وہ ایڈا کے بستر کی طرف گیا اور پردے ہٹا دیے۔ وہاں بیمار پھول لیٹے ہوئے تھے۔ پردے کے ہٹتے ہی لیٹے ہوئے پھول دوسرے پھولوں سے ملنے کے لیے اُٹھ بیٹھے۔ ان پھولوں نے بیمار پھولوں کو اپنی طرف بلایا۔ یہ پھول ان تک پہنچ گئے اور خوشی سے ان ہی کی طرح ناچنے لگے۔ اسی شان سے جیسے پھول ناچ رہے تھے۔

اچانک کیا ہوا۔ میز سے کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی، ایڈما نے اس طرف دیکھا۔ یہ ایک سلاخ تھی۔ شاید یہ بھی ان پھولوں کے درمیان آنا چاہتی تھی۔ اس سلاخ سے ایک موم کی گڑیا چپکی ہوئی تھی۔ گڑیا کے سر پر بہت ہی پیارا ہیٹ تھا۔ بالکل ایسا ہیٹ جیسا وکیل لوگ پہنتے ہیں جس کے چاروں طرف نیلا اور لال ربن تھا۔ شاید سلاخ پھولوں کے بیچ پہنچنے کے لیے بے تاب تھی اس لیے وہ میز سے زمین پر بھی آگئی تھی اور سپاہیوں کی طرح ناچ رہی تھی پھول بے چارے نازک، نازک، وہ بھاری قدموں کے ساتھ کیسے ناچ سکتے تھے۔

پھر کیا ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے موم کی گڑیا جو سلاخ پر چپکی ہوئی تھی جن بن گئی، ایک لمبا چوڑا جن۔ مضبوط، طاقتور، اس نے گرجدار آواز میں پکارا۔ بچوں کے ذہنوں میں یہ کون ہے جو فضول خیالات بھر رہا ہے۔

ایڈا کو یاد آیا۔ ہاں ایسی باتیں تو بوڑھا وکیل کرتا ہے۔ سچ مچ اس جن کا چہرہ بالکل وکیل جیسا پیلا پیلا اور مرجھایا ہوا تھا۔ سلاخ پر کے رنگین کاغذوں اور پھولوں نے اس جن کے پیروں میں چٹکی لی چٹکی کا لینا تھا کہ وہ جن پھر سے موم کی گڑیا بن گیا۔

ننھی ایڈا یہ دیکھ کر اپنی ہنسی روک نہ سکی۔ ایڈا کی ہنسی اس کے ساتھی نہیں دیکھ سکے۔ سلاخ پھر سے ناچنے لگی۔ لیکن یہ کیا سلاخ ناچتے، ناچتے کبھی بہت ہی باریک ہو جاتی کبھی بہت موٹی، کبھی خوب لمبی، کبھی بہت چھوٹی، اب سارے پھول ناچ رہے تھے۔

پھر میز کی دراز سے ایک زوردار کھٹکا ہوا، اس میز کی دراز میں ایڈا کی گڑیا صوفی لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے میز کی دراز سے اپنا سر نکالا اور چاروں طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا: کیا یہاں ناچ ہو رہا ہے؟"

ننھے سے سروتے نے گڑیا سے پوچھا: کیا تم میرے ساتھ ناچوگی۔ گڑیا بولی۔ ہاں تم میرے لیے موزوں ہو' پھر صوفی میز پر بیٹھ گئی۔ اس امید میں کہ کوئی پھول اس تک پہنچ کر اس کے ساتھ ناچنے کی درخواست کرے گا۔ مگر کوئی پھول آگے نہ بڑھا۔ وہ کھانسی۔ آہوں۔ آہوں۔ پھر بھی کوئی نہ آیا۔ سروتا خود بخود ناچنے لگا۔ جب کوئی پھول صوفی کے ساتھ ناچنے کو آگے نہیں بڑھا تو وہ زور سے فرش پر گر پڑی۔ بڑا دھماکہ ہوا۔ سارے پھول اس کی طرف دوڑے۔ پوچھنے لگے۔ کیا ہوا۔ کوئی چوٹ تو نہیں لگی کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔

خوش قسمتی سے صوفی کے کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ آیڈا کے پھولوں نے بڑے اخلاق سے گڑیا کا شکریہ ادا کیا کیونکہ وہ اس کے بستر پہ دیر تک آرام سے سوتے رہے تھے۔ پھر ان پھولوں نے گڑیا کو کمرے کے بیچوں بیچ کھینچ لیا۔ وہاں کھینچ لیا جہاں چاندنی چمک رہی تھی اور اس کے ساتھ ناچنے لگے۔ دوسرے سارے پھول دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے۔

صوفی بہت خوش تھی اس نے ننھی آیڈا کے پھولوں سے کہا' "تم لوگ رات بھر میرے بستر پہ سو سکتے ہو' میں ایک رات میز کی دراز میں سولوں گی۔"

پھولوں نے کہا: "ہم تمہاری اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اب ہم تمہارے بستر پر سوئیں گے نہ تمہیں تکلیف دیں گے۔ کیونکہ کسی طرح کل صبح تک تو ہم کو ختم ہو جانا ہے۔ ننھی آیڈا سے کہو' وہ ہمیں باغ میں دفن کردے۔ وہیں جہاں ایک پیاری چڑیا کا پنجرہ ہے۔ آنے والی گرمیوں میں ہم پھر جاگ جائیں گے اور اس سال سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو کر آئیں گے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ صوفی اداس ہو کر بولی۔ تم لوگ کبھی ختم نہیں ہوں گے۔"

پھر اچانک دروازہ کھلا اور بہت سے پھول ناچتے ہوئے اندر آگئے۔ آیڈا

بالکل سمجھ نہیں سکی کہ یہ پھول کہاں سے آگئے ہیں، شاید یہ پھول شاہی باغ کے تھے۔

پہلے وہ پھول جو گلاب کے تھے سنہرا تاج پہنے ہوئے تھے — یہ راجہ رانی تھے پھر ان کے پیچھے پیچھے گلابی رنگ کے دوسرے پھول سر جھکائے چلے آرہے تھے ساتھ میں بینڈ باجہ بھی تھا۔ دوسرے پھول نفیریاں بجارہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد اور طرح طرح کے پھول بھی اندر آگئے۔ بنفشی، لال، پیلے، للی، چنبیلی، موتیا۔ بس دیکھنے کے رنگ تھے ان کے، بڑا پیارا منظر تھا۔

آخر ان خوش خوش پھولوں نے ایک دوسرے کو شب بخیر کہا۔ یعنی رات کا سلام کیا۔ اور ننھی ایڈا پھر سے سونے کے لیے اپنے نرم گرم بستر میں گھس گئی۔ دوسری صبح جیسے ہی ننھی ایڈا نے کپڑے پہنے۔ وہ اپنی اس چھوٹی میز کی طرف گئی کہ دیکھے اس کے پھول۔ وہاں ہیں یا نہیں۔ ایڈا نے پردہ اٹھایا — پھول تو وہاں تھے مگر وہ کل سے زیادہ مرجھائے ہوئے تھے۔ صوفی بھی میز کی دراز میں لیٹی ہوئی تھی۔ بہت تھکی تھکی دکھائی دیتی تھی۔

ایڈا نے پوچھا — تم کو یاد ہے صوفی، پھولوں نے مجھ سے کیا کیا کہنے کے لیے کہا ہے۔

صوفی اُسے گھورتی رہی بس — وہ ایک لفظ بھی نہ بولی۔

ایڈا نے صوفی سے کہا۔ صوفی تم بہت خراب ہو۔ رات بھر پھول تمہارے ساتھ ناچتے رہے اور تمہیں ان کی باتیں یاد نہیں ہیں۔ پھر ایڈا نے میز کی دراز سے کارڈ بورڈ کا ایک ڈبہ نکالا۔ اس ڈبے پر چڑیوں کی پیاری پیاری تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اس ڈبے میں ایڈا نے پھولوں کو رکھا اور بولی — جب میرا بھائی مجھ سے ملنے آئے گا میں تمہیں باغ میں لے جاکر تمہارے کہنے کے مطابق ننھی چڑیا کے پنجرے کے پاس لے جاکر رکھ دوں گی۔ تاکہ تم آنے والے گرمی کے موسم میں اس سال سے زیادہ

خوبصورت بن کر مہک سکو۔

ایڈا نے جس بھائی کا ذکر کیا تھا۔ اصل میں وہ دو پیارے پیارے لڑکے تھے۔ جن کے نام تھے جیمس اور اڈولف ان بچوں کے والد نے انھیں دو پھولوں کے بڑے بڑے گلدستے دیے تھے۔ یہی گلدستے دکھلانے کے لیے دونوں بھائی ایڈا کے ہاں آئے تھے۔

ایڈا بولی۔ جیمس۔ اڈولف دیکھو میرے پھول کتنے مرجھا گئے ہیں۔ بالکل مرجھا گئے ہیں۔ پھر بڑوں کی طرح بولی "۔ انھیں دفن کرنا ہے"

دونوں لڑکے سامنے سامنے چلنے لگے۔ اور ننھی ایڈا ان دونوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ ہاتھوں میں پھولوں کا ڈبہ تھا۔ ایک ننھی سی قبر کھودی گئی اور ایڈا نے ان پھولوں کو ایک بار پیار کر کے ڈبے کو گڑھے کی تہہ میں رکھ دیا۔

جیمس اور اڈولف نے اپنے اپنے گلدستے پھولوں کی اس قبر پر رکھ دیے کیا تمھیں اس کہانی پر یقین آیا۔ نہیں آیا۔ یقین آنا چاہیے۔ ننھی ایڈا کہتی ہے یہ کہانی بالکل سچی ہے ہوسکتا ہے یہ ایڈا کا خواب ہے۔

مہاراجہ کے کپڑے

بچّو۔ تمہیں یہ سُن کر حیرت ہوگی کہ برسوں پہلے ایک ایسا مہاراجہ بھی تھا جو اپنی ساری دولت اچھے اچھے کپڑے پہننے پر خرچ کرتا تھا نہ اُسے اپنے سپاہیوں کی فکر تھی نہ وہ خود کبھی تفریح کے لیے کسی تھیٹر کو جاتا تھا۔ نہ شاہی سواروں میں بیٹھ کر کبھی باہر نکلتا تھا۔ کبھی کبھی باہر نکلتا بھی تو بس اپنے نئے کپڑے دکھانے کے لیے۔

دن میں ہر گھنٹہ بعد وہ اپنے کپڑے بدلتا تھا۔ جس طرح پُرانے راجاؤں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ راجہ سارا وقت دربار میں صَرف کرتے تھے۔ اس مہاراجہ کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ مہاراجہ دن رات اپنے سنگھار کے کمرے میں رہتا تھا۔

مہاراجہ جس شاندار شہر میں رہتا تھا اس شہر کی زندگی بڑی رنگین تھی۔ روزانہ سینکڑوں اجنبی لوگ اس شہر کی سیر کے لیے آتے رہتے۔ ایک دن آنے والوں میں شہر میں دو ٹھگ آ گئے۔ یہ دونوں آدمی بڑے دھوکے باز تھے۔ مگر انہوں نے اپنے آپ کو ماہر جولاہے ظاہر کیا۔ کہنے لگے ہم ایسے کپڑے بن سکتے ہیں جو نہ صرف عجیب و غریب ہوں گے بلکہ بے مثال ہوں گے۔ ان کے رنگ ان کے

ڈیزائن نہ صرف انوکھے ہوں گے بلکہ یہ کپڑے ان لوگوں کو نظر بھی نہیں آسکتے جو اپنے کام میں نالائق ہوں گے اور بے وقوف ہوں گے۔

ہوتے ہوتے جب یہ خبر مہاراجہ تک پہنچی تو وہ بولا۔ ہوں یہ لوگ ہیں جو میرے لیے عمدہ سے عمدہ کپڑے تیار کر سکیں گے۔ ایسے کپڑے جنہیں پہن کر میں ان لوگوں کو پکڑ سکوں گا جو اپنے اپنے عہدوں کے لائق نہیں ہیں اور پھر سارے بے وقوفوں میں سے ان لوگوں کو چن لوں گا جو نہایت سمجھدار ہیں پھر مہاراجہ نے حکم دیا۔ فوراً کپڑے تیار کروائے جائیں۔

پھر مہاراجہ نے ان دونوں ٹھگوں کو دربار میں طلب کر کے ایک بھاری رقم کپڑوں کی تیاری کے لیے دے دی اور حکم دیا فوراً کام شروع کیا جائے۔

دونوں ٹھگوں نے کپڑا بُننے کی بڑی بڑی مشینیں لگائیں اور ایسا ظاہر کیا جیسے وہ ان مشینوں پر بیٹھ کر کپڑا تیار کر رہے ہیں۔

مگر سچی بات یہ ہے کہ مشینوں پر کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر دونوں کپڑا بُن رہے تھے۔ دن میں بھی اور رات دیر گئے تک۔

ایک دن مہاراجہ نے سوچا کپڑا بُننے کا کام شروع ہو چکا ہے چل کر دیکھنا چاہیے کہ آخر کپڑا کیسا تیار ہو رہا ہے۔ کتنا کام ہو چکا ہے اور کتنا باقی ہے۔ پھر یہ بھی خیال آیا کہ یہ کپڑا ان لوگوں کو بالکل نظر نہیں آتا جو اپنے عہدے کے لائق نہیں ہیں۔ اور بے وقوف ہیں۔ مگر اگر مجھے نظر نہ آئے تو کیا ہوگا پھر اس نے سوچا یہ ٹھیک ہے اپنے آپ جانے کے بجائے کچھ دوسرے لوگوں کو بھیجنا چاہیے کہ وہ دیکھیں کہ کام کیسا چل رہا ہے۔

سارے شہر میں ان دنوں کپڑا بُننے والوں کا چرچا ہو رہا تھا جو مہاراجہ کے لیے نیا لباس تیار کرنے والے تھے اور دن رات کپڑا بُن رہے تھے۔ ہر شخص اس

بات کے انتظار میں تھا کہ مہاراجہ کپڑے پہنیں اور شہر کے بے وقوفوں کی تعداد معلوم ہو جائے۔ ہر شخص اپنے پڑوسی کو بے وقوف سمجھتا تھا۔

مہاراجہ نے سوچا سب سے پہلے اپنے بوڑھے وزیر کو بھیجنا چاہیے۔ یہ بہت ایماندار ہے وہ سچ سچ بتادے گا کہ کپڑا کیسا ہے کام کیسے چل رہا ہے بے شک بوڑھا وزیر بہت سمجھ دار ہے۔ اس جیسا کام کرنا بہت مشکل ہے کوئی نہیں کر سکتا یہ بات طے ہے۔

بس صاحب مہاراجہ کے حکم سے بوڑھا وزیر وہاں پہنچا جہاں دونوں کام کر رہے تھے اور دن رات کام کر رہے تھے۔ خالی مشینوں پر دن رات کپڑا بُنا جا رہا تھا۔

جب بوڑھا وزیر پہنچا تو اسے سوائے مشینوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا ہوا اپنے آپ سے بولا۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں، مجھے کچھ بھی نظر نہیں آرہا ہے۔ مگر وہ بولا۔ کچھ نہیں

دونوں ٹھگوں نے بوڑھے وزیر سے درخواست کی کہ وہ مشینوں کے قریب آ کر کپڑا دیکھیں رنگوں اور ڈیزائن کی تعریف کرے پھر ان دونوں نے خالی مشینوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آئیے آئیے۔ قریب آئیے۔

بوڑھا وزیر پریشان تھا اُسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ نظر آتا کیسے وہاں کچھ ہوتا تو نظر آتا۔ لیکن بوڑھے وزیر نے سوچا۔ کیا میں سچ مچ بے وقوف ہوں، اپنے اس عہدے کے لائق نہیں ہوں اور اگر ایسا ہے تو یہ بات کسی اور پر ظاہر نہیں ہونی چاہیے۔ نہیں نہیں مَیں کسی سے نہیں کہوں گا کہ مجھے کپڑا نظر نہیں آیا۔

دونوں میں سے ایک نے کہا۔ وزیر صاحب آپ صحیح صحیح رائے دیتے ہوئے بالکل مت جھجکیے۔

بوڑھا وزیر بولا۔ واہ۔ واہ۔ واہ۔ کیا کپڑا ہے بہت خوبصورت، لاجواب

والا ۔ بوڑھے وزیر نے اپنی آنکھوں پر چشمہ لگایا بولا " خوب ڈیزائن بنا رہے ہیں۔ آپ لوگ ۔ رنگوں کی تو تعریف نہیں ہوسکتی "

پھر وزیر نے بہت قریب سے کپڑے کو دیکھا تاکہ اپنے مہاراجہ سے وہ کپڑے کی تفصیل بیان کرسکے ۔ ہُوا بھی ایسا ہی ۔ بوڑھے وزیر نے مہاراجہ سے کپڑے کے رنگوں، بناوٹ اور ڈیزائن کی وہ تعریف کی کہ مہاراجہ باغ باغ ہوگیا۔

بوڑھے وزیر کی تعریف کی خبر جب دونوں ٹھگوں کو ملی تو انہوں نے فوراً اور روپے طلب کیے، ریشم مانگا، سنہری تار مانگے تاکہ بُنائی کا کام تیزی سے جاری رہے ۔ مگر یہ تو تم جانتے ہو کہ چاہے وہ ریشم ہو، یا سنہری تار، یا رقم سب چیزیں وہ دونوں ٹھگوں کی جیبوں میں جا رہے تھے ۔ بُنائی کی مشینوں میں تو ایک دھاگا بھی نہیں تھا ۔ پھر بھی دونوں ٹھگ دن رات کپڑا بُن رہے تھے اور مہاراجہ کا نیا لباس تیار کر رہے تھے ۔

مہاراجہ نے اور زیادہ اطمینان کرنے کے لیے اپنے بھروسے کے ایک اور آدمی کو بھیجا ۔ کہ وہ بھی جاکر اس تیار ہونے والے کپڑے کو دیکھے اور خبر لائے کہ مہاراجہ کا لباس کب تک تیار ہو جائے گا ۔

اس آدمی کے ساتھ بھی وہی سب کچھ پیش آیا جو بوڑھے وزیر کے ساتھ ہوا تھا ۔ اس آدمی نے بھی بار بار مشینوں کو دیکھا مگر وہاں کپڑا کیا، کچھ بھی نظر نہ آیا ۔ دونوں ٹھگوں نے اس آدمی سے پوچھا " کیوں صاحب کپڑا کیسا بُنا جا رہا ہے، ہے نا مہاراجہ کے لائق " ۔ پھر دونوں نے ہاتھوں کو اس طرح پھیلایا جیسے وہ اسے نفیس کپڑا دکھا رہے ہوں ۔

مہاراجہ کے بھیجے ہوئے اس آدمی نے بھی سوچا کہ مجھے کپڑا نظر نہیں آتا ۔ کیا میں بے وقوف ہوں ۔ ہوسکتا ہے اپنے عہدے کے لائق نہیں ہوں ۔ اگر ایسا

ہے بھی تو کسی اور کو اس کی خبر نہیں ہونی چاہیے۔

یہ سوچ کر اس نے دونوں ٹھگوں سے بُنے جانے والے کپڑے کی تعریف شروع کردی۔ پھر مہاراجہ کے پاس پہنچ کر بولا۔

حضور کیا کاریگر ہیں وہ دونوں۔ واہ۔ خوب۔ اور کیا کپڑا بُن رہے ہیں وہ لوگ کیا اس کے رنگ ہیں۔ کیا ڈیزائن ہے ایسا عمدہ لباس تیار ہوگا کہ سب کے سب دنگ رہ جائیں گے۔

غرض سارے شہر میں اس الو کے کپڑے کی تعریف ہو رہی تھی جیسے دونوں ٹھگ بُن رہے تھے۔ مہاراجہ بھی کپڑے کی تعریف سُن سُن کر خود کپڑا دیکھنے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔ مگر کپڑا تھا کہ ابھی مشینوں پر تھا۔

آخر مہاراجہ نے ایک دن اپنے بھروسے کی ایک جماعت کے ساتھ کاریگروں کے پاس پہنچنے کا ارادہ کر لیا۔ اس جماعت کے دو آدمی پہلے بڑے ماہر جو وہاں رہ چکے تھے۔ ان سب کو لے کر مہاراجہ دونوں کاریگروں کے پاس پہنچا۔

مہاراجہ نے دیکھا کہ دونوں آدمی بڑی توجہ سے مشینوں کی طرف جھکے ہوئے کام کر رہے ہیں۔ مگر یہ کیا۔ مشینوں میں ذرا سا دھاگہ بھی نہیں ہے۔

"واہ۔ لاجواب" جماعت کے ان دو ماہر مُلاہوں نے پکارا۔ حضورِ والا۔ ذرا دیکھیے تو کیا ڈیزائن ہے' کیا اس کپڑے کے رنگ ہیں۔ واہ۔

مہاراجہ نے مشینوں کو غور سے دیکھا۔

پھر سوچا کیا بات ہے۔ یہ کیا تماشہ ہے مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔ کیا میں بے وقوف ہوں یا میں مہاراجہ ہونے کے لائق نہیں ہوں۔ یہ لوگ کیا کہیں گے یہ مہاراجہ نے بلند آواز سے کہا۔ بہت خوبصورت کپڑا ہے مجھے بے حد پسند ہے مگر سچی بات یہ تھی کہ اسے اب بھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

مہاراجہ کے ساتھ آئے ہوئے سارے لوگوں نے بڑے غور سے مشینوں کی طرف دیکھا انھیں وہی نظر آیا جو وہاں تھا۔ یعنی خالی مشین، مگر سب نے مہاراجہ کی ہاں میں ہاں ملائی، بولے۔ حضور، واہ۔ واہ۔ بے شک کیا عمدہ کپڑا ہے پھر خوب، پھر بولے، حضورِ والا۔ ابھی کچھ دنوں بعد جو شاندار جلوس نکلنے والا ہے اس میں آپ یہی کپڑے پہنیے۔ واہ۔ لاجواب۔

غرض سب نے یہی ظاہر کیا کہ وہ کپڑا دیکھ کر بہت خوش ہوئے ہیں۔ مہاراجہ نے فوراً اپنے پاس سے وہ پھول ان دونوں ٹھگوں کو دیے کہ وہ اپنے کوٹ کے کاج میں لگائیں اور دونوں کو شاہی جُلاہے کا خطاب بھی عطا کیا۔

جلوس کے دن کا سب کو بڑا انتظار تھا۔ دو دن پہلے ان ٹھگوں نے سوار۔ بڑی مشعلیں لگا کر سب پر واضح کر دیا وہ راتوں کو جاگ جاگ کر کس قدر محنت سے کام کر رہے ہیں۔ پھر ان دونوں نے اس طرح ظاہر کیا کہ وہ مشینوں سے کپڑا نکال کر مناسب ٹکڑے کاٹ رہے ہیں بڑی بڑی قینچیاں ہوا میں چل رہی تھیں اور وہ جلد سے جلد اپنا کام ختم کر دینا چاہتے تھے۔

پھر آخر ایک دن ان دونوں ٹھگوں نے اعلان کر دیا کہ مہاراجہ کے نئے کپڑے تیار ہیں۔ مہاراجہ اپنے انتہائی سچے اور شریف آدمیوں کے ساتھ ایک بار پھر ان ٹھگوں کے پاس پہنچا۔ دونوں ٹھگوں نے اپنے ہاتھ ہوا میں بلند کر کے کہا یہ آپ کا پتلون ہے ۔۔۔ یہ آپ کا کوٹ ہے اور یہ باقی کپڑے ہیں۔ یہ سارے کپڑے اس قدر ہلکے اور نفیس ہیں کہ مکڑی کا جالا بھی وزندار ہوگا اگر کوئی پہن لے تو اسے محسوس بھی نہیں ہوگا کہ اس نے کچھ پہنا ہے۔" دیکھیے کیسا عمدہ کپڑا ہے۔"

"بے شک بے شک" سب کے سب چلّا اٹھے حالانکہ ان میں سے کسی کو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

پھر ان دونوں ٹھگوں میں سے ایک نے کہا: "حضورِ والا۔ اگر آپ اپنے کپڑے اتار دیں تو ہم آپ کو یہ نئے کپڑے پہنانے کی کوشش کریں گے۔ آپ اپنے لباس کو اس آئینے میں دیکھ بھی سکتے ہیں۔
مہاراجہ نے خوشی خوشی اپنے کپڑے اُتار دیے دونوں ٹھگ اس طرح کی حرکتیں کرنے لگے جیسے وہ اپنا بنایا ہوا نیا لباس مہاراجہ کو پہنا رہے ہیں۔
نیا لباس پہنا کر وہ مہاراجہ کو چاروں طرف سے دیکھنے لگے اور ایک بڑے آئینے کے سامنے گھمانے لگے۔ تاکہ وہ اپنے لباس کو اچھی طرح دیکھ سکے اور لباس پر ناز کر سکے۔
دونوں ٹھگوں نے کہا "حضور آپ پر یہ لباس خوب سج رہا ہے"۔
سب لوگ چلا اٹھے سچ مچ نیا لباس خوب ہے واہ کیا اس کا رنگ ہے کیا ڈیزائن۔
پھر بوڑھے وزیر نے مہاراجہ سے کہا: "حضور باہر شامیانہ تیار ہے"۔
مہاراجہ نے کہا: "بہت خوب ہم بھی تیار ہیں۔ اور پھر آئینے پر ایک آخری نظر ڈالی۔ اور کہا واقعی یہ ایک انوکھا لباس ہے بہت عمدہ ہے۔
دو آدمیوں نے مہاراجہ کے پیچھے ہو کر اس طرح لباس اٹھا لیا جیسے وہ لباس کو خراب ہونے سے بچا رہے ہیں۔ اس طرح مہاراجہ جلوس کی جانب بڑھا۔
جلوس روانہ ہوا۔
مہاراجہ اپنا انوکھا لباس پہن کر سڑکوں سے گذرنے لگا۔
سڑکوں کے مکانوں کی کھڑکیوں سے آوازیں آنے لگیں: "واہ۔ خوب لاجواب" مہاراجہ کا نیا لباس بے حد شاندار ہے، خوب سلائی اور پھر لباس کا پچھلا حصہ کیا کہنے اس کے اچھا ہوا جو مہاراجہ کے پیچھے دو آدمی لباس کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

وہ راستے سے یہ لباس غائب ہو جاتا تھا۔

مجمع میں سے یا کھڑکیوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ مہاراجہ کے جسم پر کوئی لباس نہیں ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایسا کہنے پر ہر شخص نالائق اور بے وقوف سمجھا جائے گا۔

مگر اچانک ایک ننھے سے لڑکے نے پکارا "مہاراجہ کے جسم پر تو کچھ بھی نہیں ہے"۔ ننھے لڑکے کا اتنا چلانا تھا کہ سارا مجمع چیخ اٹھا۔ ہاں ہاں مہاراجہ کے جسم پر کچھ بھی نہیں ہے کچھ بھی نہیں۔ یہ کیسا لباس ہے"۔

مہاراجہ مجمع کی آوازیں سن کر تھر تھر کانپنے لگا اس نے سوچا کہ اتنے سارے لوگ تو غلط نہیں کہہ سکتے مگر اس جلوس کو بھی تو آگے بڑھنا ہے وہ مجمع کی پرواہ کیے بغیر اور زیادہ اکڑ کر چلنے لگا اور پیچھے آنے والے درباریوں نے اور زیادہ احتیاط سے مہاراجہ کا وہ دامن سنبھال لیا۔ جو کہیں تھا ہی نہیں

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ: طلبہ و اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

[illegible]

مصنف: میتھو پائمکٹ
مترجم: زاہدہ خاتون
صفحات: 135
قیمت:-/30 روپے

[illegible] 34 مختصر کہانیاں

مترجم: شمیمہ بیگم
صفحات: 247
قیمت:-/85 روپے

[illegible]

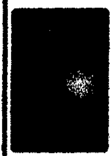

مصنف: جے پرکاش بھارتی
صفحات: 48
قیمت:-/15 روپے

دلچسپ کہانیاں

مصنف: رام آسراراز
صفحات: 188
قیمت:-/22 روپے

ڈاکیہ

مصنف: آر. کے. مورتی
مترجم: نجمہ نقوی
صفحات: 16
قیمت:-/15 روپے

رابن ہڈ کے کارنامے

مترجم: م۔ ندیم
صفحات: 147
قیمت:-/22 روپے

ISBN :978-81-7587-392-6
9 788175 873926

कौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़-ए-उर्दू ज़बान
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
National Council for Promotion of Urdu Language
Farogh-e-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110025